فہرست مضمون نگاران معارف

جلد ۱۰۶

جولائی ۱۹۷۰ء تا دسمبر ۱۹۷۰ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
۱	جناب ڈاکٹر احتشام احمد صاحب ندوی لکچرر شعبۂ عربی وکٹیشور یونیورسٹی، آندھرا پردیش	۲۹۰-۱۴۴
۲	جناب مولوی احمد خان صاحب ایم اے اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، کراچی	۲۰۸
۳	جناب پروفیسر سید امیر حسن صاحب عابدی دہلی یونیورسٹی	۳۹۰-۳۷۵
۴	جناب حفیظ ملک ولینوا یونیورسٹی	۳۱۲
۵	جناب سلمان شمسی صاحب ندوی	۴۴۰
۶	جناب شرف عالم صاحب ایم اے ریسرچ اسکالر، پٹنہ	۴۲۵
۷	سید صباح الدین عبد الرحمن	۳۲۵-۲۴۵
۸	ضیاء الدین اصلاحی رفیق دار المصنفین	۱۵۵-۷۷ ۳۴۷-۲۳۵ ۴۷۷-۳۹۹
۹	جناب کبیر احمد صاحب جائسی ریسرچ اسکالر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	۴۵۸
۱۰	جناب محمد اقبال صاحب مجددی لاہور	۱۳۶
۱۱	جناب محمد ایوب صاحب واقف ایم اے ریسرچ اسکالر اسمٰعیل یوسف کالج جوگیشوری بمبئی	۲۲۲
۱۲	جناب مفتی محمد رضا صاحب انصاری فرنگی محلی استاذ شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	۸۵-۲۴ ۲۷۱-۱۸۵ ۴۰۵-۲۵۴
۱۳	جناب محمد شہاب الدین صاحب بنگلوری ندوی	۵۳
۱۴	جناب محمد طیب صاحب صدیقی ریسرچ اسکالر شعبۂ فارسی پٹنہ یونیورسٹی	۴۷۱

شعراء

فہرست مضامینِ معارف

جلد ۱۰۶

جولائی ۱۹۷۰ء تا دسمبر ۱۹۷۰ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

جلد ۱۰۶ - ماہ جمادی الاول ۱۳۹۰ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۷۰ء - عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

مسلمانوں کے پرسنل لا میں حکومت جیسا کہ اس کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے، فی الحال کسی تبدیلی کا ارادہ نہیں رکھتی لیکن ادھر چند دنوں سے جس زور شور سے اس کا پروپگنڈا جاری ہے، اس سے اندیشہ ہے کہ یہ مسئلہ سنجیدہ شکل نہ اختیار کر لے، مسلمانوں کا پرسنل لا محض معاشرتی نہیں بلکہ مذہبی مسئلہ بھی ہے، اسکے متعلق کلام مجید میں صریح احکام موجود ہیں، مذہب، تہذیب اور زبان وہ بنیادی چیزیں ہیں جن پر قوموں کی انفرادیت اور انکے قومی و ملی وجود کا مدار ہوتا ہے۔ اسلیے کوئی قوم بھی ان میں مداخلت گوارا نہیں کر سکتی اور ان کو چھیڑنے سے بڑے بڑے مسائل اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اسی لیے دنیا کے تمام دستوروں میں ان کے تحفظ کی پوری ضمانت ہوتی ہے، اور ہندوستان کے دستور میں بھی موجود ہے، مسلمانوں کا معاملہ تو الگ رہا خود اکثریت میں جس کا مذہب اور کلچر قریب قریب یکساں ہے، زبان اور صوبائی مسائل پر کتنا بڑا انقلاب برپا ہے، مذہب کا معاملہ تو اس سے کہیں زیادہ نازک ہے۔ اسلیے مسلمانوں کے پرسنل لا میں تبدیلی دستوری حقوق، جمہوریت اور قومی مصالح سب کے خلاف ہے

پرسنل لا کے مسئلہ میں بعض اسلامی حکومتوں کی مثال اور چند مغرب زدہ مسلمان مردوں اور عورتوں کا مطالبہ دلیل نہیں بن سکتا، کسی مسلمان کو بھی اس میں تبدیلی کا اختیار نہیں ہے، یہ حکومتیں مسلمان ضرور ہیں لیکن اسلامی نہیں ہیں، اور انکے یہاں پورا قانون شریعت رائج نہیں ہے، اور وہ خود مغربی تہذیب کے طلسم میں گرفتار ہیں، دوسری بڑی بات یہ ہے کہ یہ حکومتیں خواہ کتنے ہی آزاد خیال اور ترقی پسند ہوں بہرحال مسلمان ہیں اور ان پر رائے عامہ کا اتنا دباؤ ہوتا ہے کہ وہ کوئی اقدام ایسا نہیں کر سکتیں جس سے مسلمانوں کی ملی خصوصیت کو نقصان پہنچے۔ اس وقت اسلامی حکومتوں میں ٹرکی اور مصر سب سے زیادہ ترقی پسند اور مغربی تہذیب سے

متاثر ہیں، اس کے باوجود ان کے یہاں مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کا پورا نظام اور مذہبی امور کی وزارتیں قائم ہیں، اس لیے ان کی ترقی پسندی سے جو نقصان پہنچتا ہے، اس کی تلافی کی شکلیں بھی موجود ہیں مصطفیٰ کمال نے اپنے زمانہ میں بہت سی مذہبی چیزیں ختم کر دی تھیں لیکن ترک قوم مسلمان ہے، اس لیے بعد کی حکومت کو انھیں پھر سے جاری کرنا پڑا، اور آج ٹرکی میں ہر مسلمان کے لیے مذہبی تعلیم لازمی ہے، بڑے بڑے مذہبی ادارے قائم ہیں، اور مصر تو دنیائے اسلام میں مذہبی تعلیم کا سب سے بڑا مرکز ہے، اسلیے حکمراں طبقہ کی آزادی پسندی سے جو دینی نقصان پہنچتا ہے، اس کی تلافی مذہبی تعلیم اور مذہبی نظام وغیرہ سے ہو جاتی ہے اور مسلمانوں کی ملی خصوصیات میں فرق نہیں آنے پاتا بلکہ خود حکومت اس کو قائم رکھتی ہے۔ اس لیے اسلامی ملکوں پر ہندوستان کے مسلمانوں کا قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، یہاں تو کوئی چیز بھی مسلمانوں کے اختیار میں نہیں ہے، اس لیے کسی نقصان کی تلافی نہیں ہو سکتی، باقی مغرب زدہ اور حکومت وقت کے چشم و ابرو کے پابند مسلمانوں کی کسی زمانہ میں بھی کمی نہیں رہی ہے جب جن سنگھ تک کو مسلمان مل جاتے ہیں تو حکومت کا کیا سوال۔

اس سلسلہ میں دو باتیں خاص طور سے قابل غور ہیں، ایک یہ کہ ہندوستان کے کتنے مسلمان ایک سے زیادہ شادیاں کرتے ہیں، اس زمانہ میں جب ایک بیوی اور اس کے بچوں کا بار اٹھانا مشکل ہے، ایک سے زیادہ شادی کرنے کی ہمت کون کر سکتا ہے۔ اس سے زندگی میں جو تلخیاں پیدا ہوتی ہیں وہ مستزاد ہیں، ہزار دو ہزار مسلمانوں میں شاید ایک دو مثالیں اس کی مل سکیں، ان کی سزا کے لیے زندگی کی تلخیاں کافی ہیں، دوسرے کلام مجید میں بیویوں کے درمیان عدل و مساوات کی شرط کے ساتھ چار شادیوں کی اجازت ہے، ورنہ ایک پر قناعت کرنے کا حکم ہے، اگر اس اجازت سے کوئی مسلمان غلط فائدہ اٹھاتا ہے، اور دوسری بیوی کے حقوق ادا نہیں کرتا تو اس کے لیے شرعی عدالت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اس کا تدارک کرنا علماء کا فرض ہے، حقیقت یہ ہے کہ

اس قسم کے مسائل میں دشواریوں کا حل اس لیے نہیں نکلتا کہ مسلمانوں کا شرعی نظام قائم نہیں ہے، ورنہ یہ دشواریاں پیش نہ آتیں، علما کو ان کا حل سوچنا ہے، ورنہ زمانہ کی زد کو روکنا دشوار ہو جائیگا۔

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کتابوں کی تجارت عرصہ سے بند ہے، اب پاکستان نے اخبارات اور رسالوں پر بھی پابندی عائد کر دی ہے، نہ وہاں کے اخبارات یہاں آسکتے ہیں اور نہ یہاں سے وہاں جاسکتے ہیں، جس سے دونوں کے علمی حلقوں کو پریشانی ہے، معارف کے قدر دان پاکستان میں زیادہ ہیں، کچھ خریدار تو ہر پرچہ رجسٹری منگانے کے لیے تیار ہیں لیکن اس میں مصارف زیادہ ہیں، اس لیے پرچے معمولی محصول پر بھیجے جاتے ہیں، جو کسٹم والوں کی مہربانی سے بہت کم پہنچتے ہیں، اور اکثر و بیشتر خریداروں کو دو دو مرتبہ پرچہ بھیجنا پڑتا ہے، پھر بھی نہ پہنچنے کی شکایت برابر آتی رہتی ہے، اگر یہ بندش قابل اعتراض لٹریچر کو روکنے کے لیے کی گئی ہے تو ہم کو کوئی اعتراض نہیں، لیکن خالص علمی و ادبی پرچوں کو روکنا جن کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے، سخت زیادتی اور علم و فن پر ظلم ہے، حکومت پاکستان سے ہماری درخواست ہے کہ ایسے پرچوں کو مستثنیٰ کر کے ان کی فہرست شائع کر دے، معارف کے خریدار پاکستان میں زیادہ ہیں، اس لیے اس بندش سے اسکو اتنا مالی خسارہ ہو رہا ہے کہ اگر وہ دار المصنفین کا ارگن نہ ہوتا جس کو ہر حال میں جاری رکھنا ہے، تو محض اس کی آمدنی سے اس کا چلنا مشکل تھا، ہندوستان میں اتنے خریدار نہیں ہیں کہ تنہا اس سے اسکے مصارف پورے ہو سکیں، کاش ہماری آواز حکومت پاکستان تک پہنچ سکتی، ہندوستان کے اسلامی اداروں سے عملی ہمدردی یہاں کے مسلمانوں کی بڑی خدمت ہے۔

مقالات

اسلامک اسٹڈیز کا مقصد اور اسکی تاریخ

از ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، سابق پروفیسر عربی، پنجاب یونیورسٹی

(۳)

فقہ کا مطالعہ اسلامی فقہ کو مشرقیات میں اس کا جائز مقام دلانے کا سہرا ولندیزی (ڈچ) مستشرق سنوک ہرخرنیہ کے سر ہے[1]، جو یورپ میں اسلامک اسٹڈیز کے تیسرے رکن متصور ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان سے پہلے ہدایہ کا مکمل انگریزی ترجمہ ہو چکا تھا، اور اسلامی قانون پر یورپ کی مختلف زبانوں میں چند ایک متفرق کتابیں لکھی جا چکی تھیں لیکن پروفیسر ممدوح نے فقہ اسلامی کے ساتھ خاص اعتنا کیا اور اس کے تمام متعلقہ مباحث پر بہت سے مقالے اور رسالے لکھے اور فقہ کے اصول اور ارتقاء پر علمی انداز سے بحث کی اور مزید تحقیقات کے لیے راستہ کھول دیا، اس موقع پر ان کے کام کی تفصیل ناممکن ہے، لہذا چند ایک اشاروں میں اکتفا کی جاتی ہے، پروفیسر ممدوح ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ اسلامی فقہ اور دوسری اقوام کے قوانین میں ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ اکثر قوموں کے قوانین صرف انسانوں کے باہمی تعلقات سے سروکار رکھتے ہیں لیکن اسلامی فقہ کا امتیاز یہ ہے کہ وہ خدا اور اس کے بندوں کے تعلق کو بھی اپنے دائرہ عمل میں شامل کرتا ہے، اس کے علاوہ روزانہ زندگی کے

---

[1] Christian Snouck Hurgronje (B.1857; d.1936)

ہر چھوٹے بڑے کام کے لیے ہدایات دیتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس کا دائرہ لامحالہ وسیع تر ہے، اس سے پروفیسر موصوف کی مراد فقہ کے ان ابواب سے ہے جو عبادات کے متعلق ہیں، انھوں نے اس بات کی بھی صراحت کی ہے کہ بہت سے اسلامی ملکوں اور قوموں نے اسلامی شریعت کو اختیار کر رکھا ہے، لیکن متعدد ملک ایسے بھی ہیں، مثلاً انڈونیشیا، جہاں عرف و عادت یعنی رواجی قانون کا ابھی تک زور ہے، اگرچہ اسلامی نقطہ نظر سے یہ صورت حال تسلی بخش نہیں، لیکن رواج کو روا رکھنے کا اسلام کو عملی طور پر یہ فائدہ پہنچا ہے کہ اس کی عام اشاعت کے راستہ میں کوئی مشکل حائل نہیں ہوئی،

پروفیسر سنوک ہرخرنیہ

پروفیسر سنوک ہرخرنیہ امام غزالی کی روحانیت اور اخلاقی برتری کے بڑے مداح تھے، اور ان کو اسلامی اخلاق کا ایک اعلیٰ نمونہ اور اعلیٰ معلم تسلیم کرتے تھے، آپ نے اکثر ہمعصر ولندیزی مستشرقین کی طرح اپنی طالب علمی کے زمانہ میں الٰہیات کے شعبہ میں تعلیم پائی تھی، اور عقیدۃً عیسائی تھے، لیکن اسلام اور اسلام کے مدت العمر کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ اسلام آخرکار ایک لائق احترام مذہب ہے، کیونکہ وہ اپنے پیرووں کے سامنے ایک معین نصب العین پیش کرتا ہے اور انسانی زندگی کا ایک مقصد قرار دیتا ہے، اور ان کو ایک خاص راستہ پر لگاتا ہے، اور اس طرح ان کو پریشان خیالی سے بچاتا ہے،

سنوک ہرخرنیہ اور دوسرے مستشرقین کا ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ ان کو اسلامی ملکوں کا سفر کرنے اور مسلمانوں کے ساتھ ایک عرصہ تک رہنے سہنے کا اتفاق ہوا تھا، پروفیسر ممدوح مسلمانوں کے شعائر دینی کا بہت پاس کرتے تھے، اور ان کے انداز فکر سے بخوبی واقف تھے، اسلیے ان کی مسلمانوں کے ساتھ خوب گزرتی تھی، اور جو مسلمان ان کے ساتھ میل جول رکھتے تھے وہ ان کے حسن اخلاق کے گرویدہ ہو جاتے تھے، ان کے متعلق ایک دلچسپ اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ

آپ نے ۱۸۸۵ء میں سات ماہ کا عرصہ مکہ مکرمہ میں گزارا تھا، کیونکہ وہ اسلام کو اس کے اصلی مرکز میں رہ کر سمجھنا چاہتے تھے، مکہ میں وارد ہونے سے پہلے آپ نے پانچ ماہ جدہ میں بسر کیے تاکہ عربی معاشرت کے آداب سے واقفیت حاصل کریں اور حجاز کے لہجہ سے بخوبی متعارف ہو سکیں، مکہ مکرمہ کی اقامت پر ابھی سات ماہ گزرے تھے کہ جدہ کے فرانسیسی قنصل نے آپ کے بارے میں حکام سے چغلی کھائی اور آپ بصد حسرت ویاس حجاز کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے، تاہم آپ نے اس مختصر سی مدت میں اہل مکہ کی زندگی کے ہر پہلو کا بنظر غائر مطالعہ کیا اور واپسی پر مکہ مکرمہ کے متعلق ایک جامع کتاب لکھی جس کے دو حصے ہیں، پہلے حصہ میں مکہ کی مکمل تاریخ ہے، اور دوسرے حصہ میں اہل مکہ کی زندگی کا ایک مکمل مرقع ہے، ان دنوں مفتی احمد بن زینی دحلان زندہ تھے، اور مکہ کی سوسائٹی میں ایک بلند مقام رکھتے تھے، ان سے سنوک ہرخرنیہ کی اکثر ملاقات رہتی تھی، چنانچہ انھوں نے اپنی کتاب میں مفتی صاحب کے متعلق ایک خاص باب باندھا ہے، اور ان کے علم وفضل، علمی مشاغل اور عام عادات و اخلاق کا ایک بڑا دلچسپ نقشہ کھینچا ہے، اس کے علاوہ وہاں کے مروجہ طریق تعلیم اور دیگر علمی کوائف کے متعلق بھی معلومات فراہم کی ہیں، کتاب کے اس دوسرے حصہ کا انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے[1]

حجاز سے واپسی کے بعد آپ انڈونیشیا میں ہالینڈ کی حکومت کے مشیر مقرر ہوئے، اور اس تقریب سے آپ نے وہاں سترہ سال گزارے، اس دوران میں آپ اپنی حکومت اور قوم کو یہی مشورہ دیتے رہے کہ اسے انڈونیشیا میں اپنے سیاسی اور اقتصادی مفاد سے سروکار رکھنا چاہیے، اور مسلمان رعایا کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے، اہل اسلام کی اپنی

---

[1] Snouck Hurgronje, Mekka in The latter part of The 19 Cetury (Daily Life, Customs and Leaning) Translated by J. H. Mohanan. Brill Leiden, 1931

ایک مکمل شریعت ہے، اس لیے ڈچ حکومت کو ان پر اپنے قوانین ٹھونسنے سے احتراز کرنا چاہیے"

یہ ایک منصف مزاج مغربی عالم کی معقول رائے ہے جس نے اسلام اور شریعت اسلام کا گہرا مطالعہ کیا تھا، اور اسلام کو ایک واجب الاحترام مذہب قرار دیا تھا، اس رائے کے پڑھنے کے بعد ناظرین کرام ان بدقسمت اسلامی ملکوں اور قوموں کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے، جو بغیر کسی مجبوری اور بیرونی دباؤ کے از خود اس قسم کے طوق اپنے گلے میں ڈالتے ہیں اور ان کو اپنے لیے "ترقی کا طرہ" سمجھتے ہیں۔

۱۹۰۶ء میں جب پروفیسر ڈی خویہ (De Goeje) لائڈن یونیورسٹی کی خدمت سے سبکدوش ہو گئے، تو ان کی جگہ سنوک ہرخرنیہ عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے، اور بیس بائیس سال تک اس مسند پر فائز رہے، آپ اپنے ملک میں اپنے زمانے کے چوٹی کے عالم تسلیم کیے جاتے تھے، چنانچہ جب ستمبر ۱۹۳۱ء میں لائڈن میں مستشرقین کی بین الاقوامی کانگریس کا اٹھارواں اجلاس منعقد ہوا، تو آپ ہی نے اس کی صدارت کی تھی اور اس موقع پر آپ نے جو پُر فکر خطبہ دیا تھا، اس کا خلاصہ "معارف" بابت ستمبر ۱۹۳۲ء میں دو ڈھائی صفحوں میں قلمبند کر چکا ہوں[1]، اس کے یہاں اعادہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، پروفیسر ممدوح متوسط قد کے انسان تھے، جثہ مختصر سا تھا، لیکن چہرہ بڑا باوقار تھا، اور ان کی ٹھوڑی پر جو چھوٹی سی ریش تھی، ان کے متین چہرہ پر بڑی بھلی معلوم ہوتی تھی، آپ ۱۹۳۶ء میں اس دنیا سے انتقال کر گئے، اور اپنے پیچھے شوقِ تحقیق علمی شغف اور حسن اخلاق کی ایک قابل تقلید مثال چھوڑ گئے۔

---

[1] میں نے خوش قسمتی سے مستشرقین کی کانگریس کے مذکورہ بالا اجلاس میں شرکت کی تھی، اور اس میں ایک مقالہ بھی پڑھا تھا، اس اجلاس کی مفصل روداد خاکسار کے قلم سے معارف بابت ستمبر ۱۹۳۲ء (ص ۱۸۰ تا ۱۹۹) میں شائع ہو چکی ہے، شائقین اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

پروفیسر ممدوح بالعموم اپنی ملکی زبان یعنی ڈچ میں لکھتے تھے، اگرچہ ان کے بعض مضامین فرانسیسی اور انگریزی میں بھی ہیں، ان کے تمام متفرق مقالے، رسالے اور مضامین جمع کر کے انکی زندگی ہی میں چھ جلدوں میں طبع کر دیے گئے تھے، ان کی ایک آدھ کتاب انگریزی میں بھی ہے، مثلاً انھوں نے جو لکچر امریکہ میں اسلام پر دیے تھے، وہ انگریزی میں "محمڈن ازم" کے نام سے ۱۹۱۶ء میں شائع ہو گئے تھے، ان خطبوں میں انھوں نے بدو اسلام اور اسلام کے مذہبی اور تاریخی ارتقاء اور عالم اسلام کی موجودہ حالت سے بحث کی تھی، ان کے جو اہم مقالات فقہ پر فرانسیسی اور انگریزی زبانوں میں ہیں، ان کو پروفیسر شاخت (متوفی ۱۹۶۹ء) اور پروفیسر بوسکے نے ایک الگ مجموعہ کی صورت میں شائع کر دیا تھا، پروفیسر ممدوح کی چند کتابوں کے نام حاشیہ میں مندرج ہیں[1]

اسلامک اسٹڈیز کا چوتھا رکن

نولڈکہ، گولڈسیہر اور سنوک ہرخرنیہ کے ساتھ ساتھ یورپ میں اسلامک اسٹڈیز کے چوتھے رکن مشہور جرمن مستشرق یولیس ولہازن (Julius Wellhausen) (۱۸۴۴ء تا ۱۹۱۸ء) ہیں، جو اپنے علم و فضل اور غیر معمولی تبحر اور خصوصاً اپنی گہری بصیرت اور تنقیدی مہارت کے اعتبار سے انیسویں صدی کے ایک عبقری سمجھے جاتے ہیں، انھوں نے سب سے پہلے تورات کے تنقیدی مطالعہ میں نام پیدا کیا، جس کو علماء کی اصطلاح

---

[1] Snouck Hurgronje, C

1. Verspreide Geschriften. 6 vols. Brill, Leiden, 1923-1927
2. Mohammadanism. Lectures on its Origins, its religious and political Growth and its Present State, new York & London
3. Selected Works of C. S. Hurgronje, edited in English and French by G. H. Bousquet and J. Schacht. Leiden, 1957

میں (Higher Criticism) یعنی بائبل کی "تنقید عالیہ" کہتے ہیں، پروفیسر ولہاؤزن تحقیق و تدقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ یہودیوں نے اپنی قومی تاریخ پیش کرنے میں بڑی رنگ آمیزی سے کام لیا ہے، اور اپنے اکابر اور مشاہیر کے کارناموں کو خصوصاً فتح کنعان کے سلسلہ میں، بڑے مبالغہ کے ساتھ بیان کیا ہے، اور اگر ان کو تاریخ اور تنقید کی روشنی میں دیکھا جائے تو ان کی حقیقت قومی افسانوں سے زیادہ ثابت نہیں ہوتی۔ اور شلیم (بیت المقدس) کی حکومت ایک معمولی سی ریاست تھی، جس کو ایک عظیم الشان سلطنت ظاہر کیا گیا ہے، عہد نامہ قدیم گویا یہودیوں کا "شاہ نامہ" ہے، جس کی حقیقت تاریخی افسانوں سے زیادہ نہیں۔

علماء کی ایک جماعت نے پروفیسر ولہاؤزن کے نتائج تحقیق کو قبول کر لیا، لیکن دیگر علما نے ان سے شدید اختلاف کیا، خصوصاً یہودی علما، پروفیسر ممدوح کی تنقید سے سخت خوف کھاتے تھے، کیونکہ اس سے ان کے دین کی بنیادیں ہی متزلزل ہو گئی تھیں، بہرحال اس سلسلہ میں جو مباحثہ اور مجادلہ کئی سال تک جاری رہا، اس سے بیزار ہو کر پروفیسر ولہاؤزن نے ۱۸۸۲ء میں تھیالوجی یعنی الٰہیات کی کرسی دراست چھوڑ دی، اور اس کی بجائے سامی زبانوں کا درس دینے لگے، اور رفتہ رفتہ اپنی توجہ بیشتر اسلام اور تاریخ اسلام پر مبذول کر دی۔

پروفیسر ولہاؤزن نے اسلامیات کے سلسلہ میں سب سے پہلے واقدی کی کتاب المغازی کا جرمن زبان میں ایک ملخص ترجمہ شائع کیا۔[1] اس کے دیباچہ میں پروفیسر موصوف نے چند ایک پُر مغز جملوں میں اسلام کے مطالعہ کی طرف متوجہ ہونے کی توجیہ فرمائی ہے۔ چنانچہ وہ رقمطراز ہیں کہ

---

[1] J. Wellhausen. Muhammed in Medina

Das ist vakidi's Kitab at Maghazi in verkurzter deutscher Wiedergabe. Berlin-1882

میں نے اپنی تحقیقات کا رخ عہد نامہ قدیم (یعنی تورات) سے عربوں کی طرف اس مقصد سے پھیرا ہے کہ میں اس شجر صحرائی (یعنی عرب قوم) کی حقیقت کو سمجھنا چاہتا ہوں، جس پر بنی اسرائیل کے انبیاء، اور علماء نے اپنی شاخ یعنی تورات کا پیوند لگایا تھا، کیونکہ مجھے اس بات میں کچھ شک و شبہ نہیں ہے کہ عبرانی لوگ جس بضاعت اور استعداد کے ساتھ تاریخ کے منظر پر نمودار ہوئے تھے۔ اس بضاعت (یعنی مجموعۂ خصائل) کا صحیح تصور اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے، جب عبرانیوں کا مقابلہ عرب العاربہ سے کیا جائے، اس مرحلہ میں یقیناً اس خالص عروبہ کا سوال پیش آتا ہے، جیسی کہ وہ اسلام سے پہلے تھی لیکن اس عروبہ کا سمجھنا آسان نہیں ہے۔

اسلامیات کے ائمہ اربعہ

غرضکہ پروفیسر ولہاؤزن نے اسلامیات کے شعبہ میں اعلیٰ پایہ کا جو تحقیقی اور تصنیفی کام کیا ہے، وہ بیشتر تاریخی نوعیت کا ہے، اس سے علما آج تک استفادہ کر رہے ہیں، اور وہ دوسروں کی ترغیب و تشویق کا باعث ہوا ہے، مثلاً پروفیسر بیکر نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ میرے دل میں تاریخ اسلام کے مطالعہ کا شوق پروفیسر ولہاؤزن کی محققانہ تصنیفات ہی کے دیکھنے سے پیدا ہوا تھا۔

الغرض نولڈکہ، گولڈ سیہر، سنوک ہرخرنیہ اور ولہاؤزن، یہ ائمہ اربعہ ہیں، جن کی علمی مساعی سے انیسویں صدی کے نصف ثانی میں یورپ میں اسلامک اسٹڈیز کی بنیاد پڑی، یہ چاروں فضلا، ایک دوسرے کے ہمعصر تھے، اور آپس میں مخلصانہ تعلقات رکھتے تھے، اور ایک دوسرے کے قدر شناس تھے، یہی وہ ارکان یا اساطین علم ہیں، جن کی تحقیقات اور تصانیف پر اسلامک اسٹڈیز کی عمارت کھڑی ہوئی اور اس نے یورپ کے علمی حلقوں میں ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کی، صفحات بالا میں ان کے بارے میں جو مختصر نوٹ لکھے گئے ہیں، ان سے مقصود ان کا سرسری تعارف ہے، ورنہ ان کے علمی کارناموں کے تفصیلی جائزہ

کے لیے ایک الگ دفتر درکار ہے۔

میں نے جن چار ارکان کا ذکر کیا ہے، ان کی حیثیت اسلامک اسٹڈیز کے اماموں اور بانیوں کی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلامیات کا مطالعہ گذشتہ صدی میں صرف ان چار علماء تک محدود تھا، بلکہ مغرب کے دیگر علماء نے بھی ان مباحث میں حصہ لینا شروع کردیا تھا، اور ان کی تعداد یوماً فیوماً آج تک بڑھتی چلی آرہی ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس مختصر جائزہ میں ان سب کا تذکرہ کرنا ناممکن ہے۔

الفریڈ فان کریمر مذکورہ بالا ارکان کے ہمعصر علمائے اسلامیات میں سے البتہ الفریڈ فان کریمر[1] کو فراموش نہیں کیا جاسکتا، جس نے یورپ میں سب سے پہلے مسلمانوں کی تمدنی اور ثقافتی تاریخ (Cultural history) لکھی تھی۔ فان کریمر آسٹرین قوم سے تھے، اور ان کی تمام تصانیف اور تمام مقالات جرمن زبان میں ہیں۔ وہ سات سال تک اسکندریہ میں قنصل کے عہدہ پر مقرر رہے، اور کچھ عرصہ شام میں بھی مقیم رہے۔ انھوں نے نہ صرف اپنے مطالعہ سے مسلمانوں کی قدیم تاریخ اور ان کے تمدن کے متعلق وسیع معلومات فراہم کرلی تھیں، بلکہ اسلامی معاشرہ کے براہ راست مشاہدہ سے بھی مسلمانوں کے طرز خیال اور ان کے مسائل کی بڑی گہری بصیرت حاصل کرلی تھی۔ ان کی دو[2] کتابیں زیادہ مشہور ہیں[1] جن کے نام حاشیہ میں دیے گئے ہیں۔ پہلی کتاب اسلام کے چند بنیادی تصورات کے بارے میں ہے، جس میں فاضل مصنف نے ہستی باری تعالیٰ اور عقیدۂ رسالت کے علاوہ مسلمانوں کے سیاسی نظریات سے بحث کی ہے، اور یہ کتاب ابتک علماء کے طبقہ میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

---

[1] Alfred von Kremer (b. 1828; d. 1889)
1. Geschichte der herrschenden Ideen des Islam (1868)
2. Culturgeschichte des Orients unter den Chalifen. 2 vols. Wien, 1875-77

فان کریمر نے اپنی دوسری کتاب میں جس کے دو حصے ہیں، عہد خلافت کی تمدنی اور ثقافتی تاریخ قلمبند کی ہے، اور تقریباً بیس عنوان قائم کرکے اسلامی نظام مملکت، دربار خلافت، عسکری نظام، اسلامی قانون، شہری معاشرت، تجارت، صنعت و حرفت، علوم و فنون اور عربی ادب اور شعر و شاعری کے متعلق بڑی قیمتی معلومات فراہم کردی ہیں، اور ان کو بیشتر اعلیٰ قدیم مصادر سے اخذ کیا ہے، اور بعض معاملات کی اپنی رائے سے مزید وضاحت کی ہے۔ جرجی زیدان کی تاریخ "التمدن الاسلامی" کی تبویب و ترتیب کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ فان کریمر کی کتاب اس کے پیش نظر رہی ہے اور اس نے اس سے کافی استفادہ کیا ہے، جس طرح "تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ" کی تالیف میں زیدان آفندی نے پروفیسر بروکلمن کی معروف "تاریخ الادب العربی" (جرمن) کو بطور نمونہ اختیار کیا ہے، جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہوگا، صلاح الدین خدابخش مرحوم (۱۸۷۷ء تا ۱۹۳۱ء) نے فان کریمر کی پہلی جلد کا انگریزی میں ترجمہ کردیا تھا، جو کلکتہ یونیورسٹی کی طرف سے شائع ہوچکا ہے۔ فان کریمر کا کام علمی لحاظ سے ایسے اعلیٰ پایہ کا ہے کہ نولڈکہ اور گولڈسیہر جیسے مبصرین نے بھی اس کی تحسین کی ہے۔

اسلامک اسٹڈیز کی ابتدا کی جو مختصر تاریخ میں نے صفحات گذشتہ میں بیان کی ہے، اس میں میری ذاتی تعبیر کو بہت کم دخل ہے، کیونکہ یہ وہ باتیں ہیں جو مغربی علمی دنیا میں مسلمات کی حیثیت رکھتی ہیں، اور ہمارے ملک میں بھی جو باخبر اور وسیع النظر عالم ہیں، وہ ان باتوں کو بخوبی جانتے ہیں اور مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ میں نے یہ مختصر بیان ان احباب کے پاس خاطر سے قلمبند کیا ہے، جن کو اسلامیات کے ساتھ کسی لحاظ سے دلچسپی ہے، لیکن یہ امور ابھی تک انکے علم میں نہیں آئے۔

اسلامک اسٹڈیز کی اصطلاح جب یورپ کے علمی حلقوں میں اسلام اور اسلامی مسائل کے مطالعہ نے

ایک مستقل شعبۂ علم کی حیثیت اختیار کرلی، تو جرمنی میں اس کے لیے Islamwissenschaft
کی اصطلاح مروج ہوئی، چنانچہ جب پروفیسر بابنگر (Babinger) کا برلن یونیورسٹی میں
تقرر ہوا تو وہ Professor fur Islamwissenschaft کہلائے۔ اسلامیات کو جرمنی
میں Islamkunde بھی کہتے ہیں، چنانچہ کچھ مدت ہوئی برلن میں اسلامی مسائل اور عالم اسلام
کے حالات کے مطالعہ کے لیے جو انجمن قائم ہوئی تھی، وہ — Gesellschaft fur
Islamkunde) کے نام سے موسوم ہوئی تھی، ان کے علاوہ اسلامیات کے لیے جرمنی
میں ایک تیسری اصطلاح Islamstudien بھی مستعمل ہے، چنانچہ پروفیسر بیکر نے
اپنے مضامین اور مقالات کے مطبوعہ مجموعہ کا نام Islamstudien رکھا تھا۔

فرانس میں اسلامیات کو Etudes Islamiques کہتے ہیں اور یہ اصطلاح
وہاں ایسی مروج اور مقبول ہو چکی ہے کہ ۱۹۲۶ء میں وہاں کے مشہور اسلامی رسالہ
Revue du monde musulmane کا نام بدل کر Revue des Etudes
Islamiques رکھ دیا گیا تھا،

انگلستان میں اسلامیات کو Islamic Studies کہتے ہیں، اور وہاں اس
شعبہ علوم کی ایک مستقل حیثیت مدت سے تسلیم کی جا چکی ہے، چند سال ہوئے لندن کے اسکول آف
اورینٹل اینڈ افریقن سٹڈیز میں اسلامک اسٹڈیز کے لیے ایک خاص پروفیسرشپ قائم ہوئی
تھی، اور اس پر ڈاکٹر چارلس بکنگھم کا تقرر ہوا تھا۔

جہاں تک مجھے معلوم ہے ہندوستان میں اسلامک اسٹڈیز کی اصطلاح سب سے پہلے کلکتہ
یونیورسٹی کمیشن کی رپورٹ میں استعمال ہوئی تھی، اور اسلامیات کے متعلق کمیشن کی تجاویز
ایک خاص باب میں تلمبند ہوئی تھیں،

اسلامیات کا موضوع

اسلامیات یا اسلامک اسٹڈیز کا اعلی اور بنیادی موضوع بحث دین اسلام
اور اس کی تعلیم ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی اسلام کے مطالعہ میں "اسلام کے مذہبی ارتقاء" کو بڑی
اہمیت حاصل ہے جس کے بغیر اسلام کا مطالعہ کسی صورت میں مکمل نہیں کہا جا سکتا، اسلام
کے مذہبی ارتقاء سے ہماری مراد ملت اسلام کی مذہبی تاریخ ہے جس کے اجزاء یہ ہیں (۱) مذاہب فقہ
کا نشو و نما، (۲) مختلف اسلامی فرقوں کی تشکیل اور ان کے مخصوص عقائد (۳) صوفیہ کے
طریقوں اور سلسلوں کا ظہور اور (۴) قدیم اور جدید مذہبی تحریکوں کی تفصیل زیر بحث آتی ہے،

مذکورہ بالا مباحث کے علاوہ اسلامیات میں ان چیزوں کا مطالعہ بھی داخل ہے جو اسلام
کی تعلیم اور اس کے اثر سے معرض وجود میں آئیں یعنی (۱) علوم دینیہ اسلامیہ (۲) ملت اسلام
یعنی عالم اسلام (۳) ملت اسلام کی سرگزشت اور اس کا تمدن یعنی اسلام کی سیاسی
اور تمدنی تاریخ۔

بہر صورت اسلامک اسٹڈیز کا چرخ دین اسلام کے محور کے گرد گھومتا ہے، وہی اس کا
مرکز ہے اور وہی اس کی علت غائی (Raison d'être) ہے، اور یہی وہ
چیز ہے جو اسلامک اسٹڈیز کا جواز پیش کرتی ہے، اور اس کو عام اورینٹل اسٹڈیز
(Oriental Studies) سے الگ کرتی ہے۔

ارتقاء اسلام کی بحث

دین اسلام اور ارتقاء اسلام کے مسائل و مباحث کے معین کرنے
اور اسلامیات کے حدود قائم کرنے میں پروفیسر گولڈ سیہر کو بہت کچھ دخل رہا ہے، آپ نے امریکہ میں
۱۹۰۸ء میں اسلام کے موضوع پر چھ لکچرز (خطبے) دیے تھے، جو بعد ازاں ۱۹۱۰ء میں اپنی اصل جرمن
زبان میں شائع ہوگئے تھے[1]، اس موقع پر فاضل ممدوح نے اپنے خطبوں کے لیے جو عنوانات قائم

[1] Vorlesungen uber den Islam. Heidelberg, 1910

کیے تھے، اور جن مسائل سے بحث کی تھی وہ اتنے مناسب اور موزوں اور ایسے جامع و مانع تھے کہ نہ صرف آپ کے لیکچرز کا بعد ازاں انگریزی اور فرانسیسی میں ترجمہ ہوا، بلکہ بعد کے اکثر مغربی محققین اور مصنفین نے اسلام اور اس کے مذہبی ارتقاء سے بحث کرتے ہوئے ان ہی عنوانوں کو اختیار کیا ہے، اور ان ہی مسائل پر گفتگو کی ہے۔ جن کو پروفیسر گولڈ سیہر زیر بحث لا چکے تھے، اور یہی وہ مسائل ہیں جو بالآخر اسلامیات کا موضوع بحث قرار پائے،

پروفیسر گولڈ سیہر کے پہلے خطبہ میں رسول کریمؐ کی زندگی اور بدء اسلام کا خاکہ پیش کیا گیا ہے، اور پھر قرآن مجید کے متعلقہ مسائل پر گفتگو کی گئی ہے۔ دوسرے خطبہ میں اسلامی فقہ کی تاریخ ہے، تیسرے خطبہ میں عقائد اسلام کا بیان ہے، اور اس سلسلہ میں معتزلہ اور اشاعرہ وغیرہم کے خصوصی عقائد کا ذکر آیا ہے۔ چوتھے خطبہ میں اختلاف عقائد کی بناء پر اور خصوصاً خلافت کے مسئلہ پر اسلام میں جو فرقے پیدا ہوئے مثلاً خوارج، شیعہ وغیرہ ان کے حالات اور عقائد کا بیان ہے، چھٹے خطبہ میں عالم اسلام کی موجودہ مذہبی تحریکوں کی تفصیل ہے، مضامین اور مباحث کی یہی وہ تقسیم و ترتیب ہے جس کی بعد کے محققوں اور مصنفوں نے قدرے کمی بیشی کے ساتھ تقلید کی ہے، پروفیسر گولڈ سیہر کے خطبوں کے چند سال بعد پروفیسر سنوک ہرخرنیہ نے بھی امریکہ والوں کی دعوت پر ان کے ہاں اسلام پر چند لیکچرز دیے تھے، جن کا ذکر پروفیسر موصوف کے حالات میں پیشتر آچکا ہے، اس موقع پر انھوں نے جو مضامین بحث کے لیے انتخاب کیے، یہ وہی مسائل تھے، جن پر ان سے پہلے گولڈ سیہر گفتگو کر چکے تھے، اسی طرح پروفیسر ٹامس آرنلڈ نے اپنی کتاب The Faith of Islam میں اور پروفیسر ہملٹن گب نے اپنی کتاب محمڈن ازم میں بیشتر ان ہی عنوانوں کو اختیار کیا ہے، اور تقریباً اسی ترتیب سے ان پر اپنے اپنے انداز میں گفتگو کی ہے، البتہ پروفیسر گب نے قرآن مجید، حدیث نبوی اور فقہ اسلامی پر مستقل ابواب باندھے ہیں، اور وسعت اسلام کی وضاحت کے لیے

عالم اسلام پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈالی ہے۔

اگر اسلام اور اس کے مذہبی ارتقاء کے مطالعہ میں مندرجہ بالا عنوانوں کو پیش نظر رکھا جائے تو اس موضوع کے متعلق کسی اہم مسئلہ یا مبحث کے نظر انداز ہونے کا اندیشہ نہیں ہو سکتا۔

تاریخ اسلام

تاریخ اسلام کا مطالعہ بھی اسلامک اسٹڈیز میں شامل ہے۔ بلکہ اس کا ایک جزو لاینفک ہے۔ تاریخ اسلام کیا ہے؟ یہ امت مسلمہ یا ملت اسلام کی سرگذشت ہے۔ اور امت مسلمہ وہ سوسائٹی ہے جو مذہبی اور تنظیمی طور پر اسلامی تعلیم ہی کے اثر سے معرض وجود میں آئی ہے۔ اور اسلامی اصول و عقائد کی عملی تفسیر و تعبیر پیش کرتی ہے۔ بالفاظ دیگر تاریخ اسلام اسلام کے عملی کردار کی آئینہ دار ہے۔

Islamic History is Islamic Ideology in action

لہٰذا اسلام کے اثرات اور اسکے ثمرات کو سمجھنے کے لیے تاریخ اسلام کا مطالعہ از بس ضروری ہے، تاریخ اسلام میں مسلمانوں کی سیاسی تاریخ (یعنی پولیٹیکل ہسٹری) اور انکی تمدنی اور ثقافتی تاریخ (کلچرل ہسٹری) دونوں شامل ہیں۔

ملت اسلام یعنی اہل اسلام "شجر اسلام" کا برگ و بار یعنی ثمرہ ہیں۔ اور "اصول دین" کے ساتھ "شجر اسلام کے برگ و بار" کا مطالعہ بھی لازم ہے، مثلاً جب کوئی سائنسدان کسی درخت کی تحقیق کرتا ہے تو وہ اپنی بحث کو درخت کی جڑوں اور اس کے تنے تک محدود نہیں رکھتا بلکہ اس کی شاخوں اور اس کے برگ و بار کو بھی بحث میں لاتا ہے، کیونکہ اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو یہی برگ و بار اس درخت کا ماحصل اور لب لباب ہیں، لہٰذا ہم اسلام کی بحث میں ملت اسلام اور اس کی سرگذشت کو نظر انداز نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ ملت اسلام ہی کی تعلیم کے اثر سے پیدا ہوئی ہے، اور اسلام کے اثرات اور اس کی برکات کا اندازہ لگانے کے لیے مقیاس کا کام دیتی ہے، لہٰذا ملت اسلام اور اس کی سرگذشت بھی اسلامک اسٹڈیز کا ایک لازمی حصہ ہے،

اسلامیات کی مجوزہ اسکیم

اگر اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے کہ اسلامیات میں دین اسلام کے علاوہ

ان چیزوں کا مطالعہ بھی داخل ہے، جو اسلام کی تعلیم اور اس کے اثر سے وجود میں آئیں، تو
پھر میری ناقص رائے میں اسلامیات کی سکیم آف اسٹڈیز (Scheme of Studies)
اور اس کا ریسرچ پروگرام حسب ذیل صورت اختیار کرے گا۔

۱۔ دین اسلام یعنی تعلیم اسلام :-

(الف) اجزائے ایمان (The Creed of Islam)

(ب) ارکان اسلام (Practical Religious Duties)

(ج) اخلاق اسلامی (Ethics of Islam)

(۲) علوم دینیہ اسلامیہ

(الف) قرآن مجید کے متعلق جملہ مباحث، تفسیر القرآن اور طبقات المفسرین

(ب) علم حدیث اور اس کے متعلقات مثلاً اسماء الرجال، تاریخ علم حدیث،

(ج) علم فقہ، اصول فقہ اور تاریخ فقہ، مذاہب فقہ اور ان کے اصول و خصائص۔

۳۔ ملت اسلام کا مذہبی ارتقاء :-

(الف) مذاہب فقہ کا نشو و نما اور ان کا شیوع

(ب) مختلف اسلامی فرقوں کا ظہور اور ان کے خاص عقائد
(خوارج، شیعہ، اہل السنت، معتزلہ وغیرہم اور ان کی شاخیں)

(ج) صوفیہ کے طریقے اور سلسلے، ان کی خصوصیات اور ان کے بانی،
(اس میں تصوف کی پوری بحث شامل ہے)

(د) مذہبی تحریکیں، قدیم اور جدید)

۴۔ ملت اسلام

(الف) ملت اسلام کے عناصر ترکیبی۔ مسلمان اقوام یعنی عربوں، ایرانیوں، ترکوں، تاتاریوں، افغانوں، ہندوستانیوں، بربروں، سوڈانیوں، زنگیوں، صومالیوں، سواحلیوں کی نسلی اور قومی خصوصیات، تاریخ اسلام میں ان کا کردار اور اسلامی تہذیب و تمدن کی تعمیر میں ان کا حصہ۔

(ب) عالم اسلام (The World of Islam)
عہد حاضر کے اسلامی ملکوں کا مذہبی، سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، علمی اور تعلیمی جائزہ اور ان کے موجودہ مذہبی، سیاسی اور ثقافتی رجحانات۔

۵۔ ملت اسلام کی سرگذشت یعنی تاریخ اسلام :-

(الف) مسلمان قوموں اور ملکوں کی سیاسی تاریخ

(ب) مسلمانوں کی تمدنی اور ثقافتی تاریخ

(فلسفہ و حکمت اور دیگر جملہ علوم و فنون، نظام تعلیم اور مدارس، زراعت، تجارت صنائع و حرف وغیرہ)

۶۔ تاریخ اشاعت اسلام

(الف) تاریخ اشاعت اسلام کا مطالعہ، اسکی اہمیت اور اسکے فوائد، نتائج و اسباق

(ب) عہد حاضر کی تبلیغی مساعی اور تبلیغی مرکز، تبلیغ اسلام کے آداب و آئین۔

۷۔ اسلامی زبانیں اور ان کے آداب :-

(الف) مسلمان اقوام کی مستعملہ اور مروجہ زبانوں یعنی عربی، فارسی، ترکی، تاتاری، اردو، بنگالی، جاوی، ملائی اور سواحلی وغیرہ زبانوں کا مطالعہ اس جہت سے کہ ان کے ذخیرہ الفاظ اور اسالیب بیان پر اسلامی اثرات اور تصورات کیسے اور کہاں تک اثر انداز ہوئے ہیں۔

عربی زبان کا لسانی اور ثقافتی اثر دیگر اسلامی زبانوں پر

(ب) مذکورہ بالا زبانوں کے متعلقہ آداب کا مطالعہ اس لحاظ سے کہ ان کے ارتقاء اور فروغ میں اسلامی اثرات کیسے اور کہاں تک کارفرما ہوئے ہیں؟ اور ان متعدد آداب میں اسلامی عناصر یعنی اسلامی دینی علوم کی کمیت اور کیفیت کی تفصیل کیا ہے،

اسلامی اثرات کی وجہ سے ان متعدد آداب میں جو لسانی، ادبی، تہذیبی اور روحانی قدر مشترک پیدا ہو چکا ہے، اس کی نشاندہی اور اس کی تفصیل و تشریح۔

"دین" اور "اسلامیات" میں نے روداد میں پڑھا کہ ایک موقع پر یہ کہا گیا تھا کہ "اسلامیات کو دین سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔" مجھے حیرت ہے اور کمال حیرت ہے کہ بعض لوگوں کے ذہنوں میں اسلامیات کے دین سے جدا ہونے یا نہ ہونے کا سوال کیسے پیدا ہوا، اگر 'دین' سے مراد ایمان و ایقان یعنی اسلام کی حقانیت کا اعتقاد اور اس کی تصدیق ہے تو پھر معاملہ کی صورت بالکل دگرگوں ہوگی، لیکن اگر دین سے مراد "اسلام بحیثیت ایک موضوع بحث" کے ہے تو اس کے اسلامیات سے جدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اسلام ہی تو اسلامیات کا اصلی اور حقیقی موضوع ہے، اور اس کی علت غائی ہے،

اگر دین سے مراد اسلام ہے تو پھر قضیہ کی صورت یہ ہوگی کہ "کیا اسلامیات کو اسلام سے جدا کیا جا سکتا ہے" اور اس قضیہ کا مہمل اور لایعنی ہونا بین ہے، اور اگر بفرض محال یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اسلامیات سے دین (اسلام) جدا ہو سکتا ہے، تو اس صورت میں اسلامیات کی مثال اس جسد کی ہوگی جس سے روح سلب ہو چکی ہے، یا اگر ایک عامیانہ مثال دیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ "اسلامیات بلا دین" اس برات کی مانند ہے جس میں براتی تو زرق برق لباس

پہنے تیار کھڑے ہیں، لیکن خود دلہا غائب ہے، اے ناظرین با تمکین! یہ سارا قصہ دین اسلام ہی کا تو ہے، ورنہ اسلامیات کے کیا معنے ہیں!!

اسلامیات کا مقصد مغربی علماء کی زبان سے میں نے اسلامک اسٹڈیز کا مقصد یہی سنا ہے کہ اس کے ذریعہ سے اسلام اور اس کے تمام متعلقہ مسائل کا "فہم" (Understanding) حاصل کرنا ہے، اگر غیر مسلم اسلام کا "فہم" حاصل کرنا چاہیں تو ہم ان کی خواہش کا خیر مقدم کرتے ہیں، کیونکہ اس صورت میں ہماری یہ امید بیجا نہ ہوگی کہ اس "فہم" سے شاید اقوام عالم کے درمیان باہمی "مفاہمت" کی کوئی صورت نکل آئے، اور اس مفاہمت سے دنیا میں امن قائم کرنے میں مدد ملے، کیونکہ امن عالم فی زمانا نوع انسان کی سب سے بڑی ضرورت ہے،

اس کے بعد یہ سوال ہنوز باقی رہ جاتا ہے کہ مسلم اور غیر مسلم کے لیے اس "فہم" کے حاصل کرنے کا آخر کار کیا مقصد اور کیا فائدہ ہے؟

نوع انسان مختلف قوموں اور ملتوں میں منقسم ہے اور ان قوموں کی مختلف جماعتیں اور مختلف طبقات ہیں، ہر جماعت اور ہر طبقہ کا اپنا اپنا جدا مذاق و مسلک ہے، اور اپنے اپنے اغراض و مقاصد ہیں، اس لیے ہم نے جو سوال اٹھایا ہے، اس کا جواب بھی لامحالہ مختلف جماعتوں اور طبقوں کی طرف سے مختلف نوعیت کا ہوگا،

ایک مسلمان اس سوال کا جواب غالباً یہ دے گا کہ چونکہ اسلام اس کا دین و مذہب ہے اس لیے اس کے لیے اپنے مذہب کا زیادہ سے زیادہ فہم حاصل کرنا اس کے ایمان کی تقویت کا موجب ہے، اسکے لیے اس فہم کی اہمیت کا ایک پہلو اور بھی ہے، اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے اور وہ اپنے حلقہ بگوشوں سے یہ توقع رکھتا ہے کہ جو روشنی ان کو آفتاب اسلام سے حاصل ہوئی ہے، اس روشنی کے بارے میں وہ (یہودیوں اور برہمنوں کی طرح بخل نہ کریں) بلکہ نوع انسان کے سچے اور مخلص بہی خواہوں کی طرح اس روشنی کو پھیلائیں اور اسکی برکات میں

دوسرے انسانوں کو بھی شریک کریں، لیکن دوسروں کو اپنے اصول اور نصب العین سمجھانے سے پہلے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان اصولوں کو پہلے خود بھی اچھی طرح سے سمجھے اور ان کے دلائل و براہین سے واقف ہو۔

آجکل مختلف ادیان و مذاہب کے مطالعہ نے ایک خاص علم کی حیثیت اختیار کر رکھی ہے، جس میں تاریخ الادیان کے علاوہ مختلف مذاہب کا تقابلی مطالعہ بھی شامل ہے، جو علما اس شعبہ میں مصروفِ تحقیق ہیں، ان کو اسلام میں اس وجہ سے دلچسپی ہے کہ اسلام کا شمار دنیا کے بڑے بڑے مذاہب میں ہوتا ہے، اور ایک اندازہ کے مطابق پیروانِ اسلام دنیا کی کل آبادی کا ایک خمس ہیں، یہ علما دیگر مذاہب کی طرح اسلام کا بھی مطالعہ کرتے ہیں، اور اس کی تعلیم کو سمجھنا چاہتے ہیں، اور اس کے ارتقائی منازل کو معلوم کرنا چاہتے ہیں، اور اس کی تحقیق کرتے ہیں کہ اسلام کو دیگر مذاہب کے ساتھ کیا تعلق اور کیا مناسبت ہے، اس کو دیگر مذاہب کے ساتھ کن باتوں میں مماثلت ہے، اور کن باتوں میں مغایرت ہے، اسلام کی اپنی ذاتی خصوصیات کیا ہیں، اور اس کی عالمگیر اشاعت کے کیا اسباب ہیں وھلم جرا۔

ایک مؤرخ تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے پر اس لیے مجبور ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ تاریخِ عالم کا ایک لازمی حصہ ہے، جب تک ان کی تاریخ کو پیشِ نظر نہ رکھا جائے اور اس کو محسوب نہ کیا جائے، تاریخ عالم کا تصور اور اس کا بیان نامکمل رہتا ہے، قرون وسطیٰ میں مسلمان دنیا کی مہذب اقوام کے سرخیل تھے، اس لیے ایک مؤرخ کے لیے ان کی ازمنہ متوسطہ کی تاریخ خاص اہمیت رکھتی ہے، یہ وہ زمانہ ہے جس میں مسلمانوں نے علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے ہر شعبہ میں حیرت انگیز ترقی کی تھی، اور یورپ والے ان کی خوشہ چینی پر مجبور تھے، الغرض اہل اسلام کو تاریخ عالم میں ایک خاص درجہ اور ایک خاص مقام حاصل ہے، جس کو کوئی دیانتدار مورخ نظر انداز نہیں کرسکتا۔

یورپ کا ایک مدبّر (States man) اسلام اور عالم اسلام کا مطالعہ اس غرض سے کرتا ہے تاکہ وہ مسلمان اقوام کے مذہبی محرکات اور مسلمان ملکوں کے مذہبی حالات اور ان کے سیاسی رجحانات کو بخوبی سمجھ سکے، تاکہ اس علم اور فہم کی روشنی میں وہ اپنے ملک اور اپنی قوم کی خارجی پالیسی کو متعین کرسکے۔

ایک عیسائی مشنری اسلام کا مطالعہ اس لیے کرتا ہے تاکہ اس کا رد کرے اور اسلام کی تعلیم پر جرح و قدح کرکے مسلمانوں کو اپنے دین سے منحرف اور برگشتہ کرنے کی کوشش کرے وہ خوب جانتا ہے کہ عیسوی دین کا سب سے بڑا اور قدیمی حریف اسلام ہے، اس کا مقابلہ کرنے بلکہ اس کو مغلوب کرنے کے لیے اپنے حریف کو سمجھنا اور اس کی قوت کا صحیح اندازہ لگانا اس کے مقاصد کی کامیابی کے لیے ازبس ضروری ہے۔

الغرض مختلف ملتوں اور مختلف طبقوں کے ہاں اسلام کی فہم و تفہیم کے مختلف اغراض و مقاصد ہوسکتے ہیں۔

بانی درس نظامی ملا نظام الدین فرنگی محلی

از جناب مفتی محمد رضا صاحب انصاری فرنگی محلی استاد شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

عربی جنتری کے حساب سے ۱۳۹۰ھ وہ سال ہے جس کی کسی تاریخ کو بانیٔ درس نظامی ملا نظام الدین محمد فرنگی محلی کی ولادت کے تین سو سال پورے ہو جاتے ہیں، اور تازہ محاورے میں موجودہ ہجری سال کو ان کا "۳۰۰ واں یا سہ صد سالہ جشن پیدائش" کہا جا سکتا ہے، تمام تذکرہ نویسوں کے اتفاق کے مطابق ملا نظام الدین محمد اس وقت چودہ سال کے تھے، جب ان کے والد ماجد ملا قطب الدین شہید سہالوی کا حادثۂ شہادت ۱۱۰۳ھ میں قصبہ سہالی ضلع بارہ بنکی میں پیش آیا تھا، اس واقعۂ شہادت کے سال میں سے ملا نظام الدین محمد کی عمر کے چودہ (۱۴) سال گھٹانے سے قریب قریب ۱۰۸۹ھ برآمد ہوتا ہے،

جب یہ لٹا ہوا کنبہ جس کا مورث اور سرپرست، اشقیاء کی اچانک یلغار میں اپنے گھر کے اندر گھر والوں کی نگاہوں کے سامنے شہید ہو چکا تھا، دار البوار سے مسکنِ عافیت کی طرف جانے لگا تو اس میں ایک چودہ (۱۴) سالہ یتیم بھی تھا، جو اپنے بڑے بھائی، ماں اور چھوٹے بھائی بھتیجوں کیساتھ ایسی سمت جا رہا تھا جس کی منزل خواہ طے پا چکی ہو لیکن اس ہجرت اور ترک وطن کا انجام سخت دھندلکے میں تھا،

اس یتیم کی اس آوارۂ وطن قافلے میں اس سے زیادہ کیا اہمیت ہو سکتی ہو گی کہ ایک مظلوم خاندان کا ایک بچہ جس کا مستقبل بظاہر حالات غیر واضح اور غیر یقینی ہے۔ یہ لٹا ہوا کنبہ ملا قطب الدین شہید سہالوی کا تھا،

ملا قطب الدین شہید سہالوی

ملا قطب الدین کی شہادت ۱۹ رجب ۱۱۰۳ھ (مطابق ۲۰ مارچ ۱۶۹۲ء) کو قصبہ سہالی ضلع بارہ بنکی میں اس وقت ہوئی جب وہ طلوع آفتاب کے بعد اپنی محلسرا کے دیوان خانہ میں جو مدرسہ کہلاتا تھا، درس و تدریس کے لیے بیٹھے تھے، اور طلبا کی محدود تعداد اس وقت تک حاضر ہو پائی تھی،

بہ عبارتِ قدیمہ از نماز فجر و وظائف فراغ اندوختہ در مدرسہ آمدہ بدرس جمعے از فضلاء حاضر الخدمت مشغول شدند چوں دو گھڑی روز برآمد اسد اللہ و باقر و پیر محمد ساکنہ دوحنہ علاقہ پرگنہ سہالی و نور و غلام محی الدین و بساون و سہاون ساکنانِ قصبۂ سہالی و نقیر اللہ متوطن قصبہ دیوہ و انور ساکن امتی معمولہ پرگنۂ بجنور وغیرہ زمینداران گرد و پیش خانۂ مولوی را محاصرہ نمودند و از چہار طرفِ دیوار نقبہا زدہ اندروں در آمدند و مولوی را یک زخم تیر و یک زخم تفنگ و ہفت ضرب شمشیر بر او رسانیدہ شہید ساختند و شیخ غلام محمد نبیرۂ زبدۃ الاولیا بندگی شیخ نظام الدین ساکن امیٹھی و دیگر شیخ عزت اللہ ساکن سندیلہ کہ بخواندن فاتحۃ الفراغ در خدمت بودند نیز از دستِ ظلمۂ مذکورین شہید شدند

روزانہ کے معمول کے مطابق ملا قطب الدین فجر کی نماز اور وظائف سے فارغ ہو کر اپنے مدرسے میں آ گئے، اور حاضرینِ خدمت فاضلین کو درس دینے میں مشغول ہو گئے، جب دو گھڑی دن گزر چکا تھا کہ اسد اللہ، باقر، پیر محمد (تینوں قصبۂ سہالی کے دیہات دوحنہ کے رہنے والے) نور، غلام محی الدین، بساون سہاون (سہالی کے باشندے)، نقیر اللہ (دیوا کے رہنے والے) اور انور (پرگنہ بجنور کے دیہات امتی کا باشندہ) وغیرہ جو آس پاس کے زمیندار تھے، آئے اور ملا صاحب کے مکان کا محاصرہ کر لیا، چاروں طرف سے دیواروں میں نقب لگا کر گھر کے اندر گھس آئے ملا صاحب کو تیر کا ایک زخم گولی کا ایک زخم اور چہرے پر تلوار کے سات زخم پہنچا کر ان کو شہید کر ڈالا، زبدۃ الاولیاء بندگی شیخ نظام الدین ساکن امیٹھی کی اولاد میں شیخ غلام محمد اور سندیلہ کے رہنے والے شیخ عزت اللہ بھی جو فاتحۃ الفراغ

محمد آصف چودھری پرگنہ سہالی کہ برائے مد مولوی رسیدہ با ہمراہیان خود شہید شدند، بندہ محمد سعید وجمیع از طلبا و شیخ فضل اللہ برادر نائب قاضی عبداللہ قاضی پرگنہ سہالی وغیرہ زخمی شدند

پڑھنے کے لیے حاضر خدمت تھے، مذکورہ ظالموں کے ہاتھوں شہید ہوئے، پرگنہ سہالی کے چودھری محمد آصف جو ملا صاحب کی مدد کے لیے ایک جماعت کے ساتھ آئے تھے، اپنے ہمراہیوں سمیت شہید ہوئے، فدوی محمد سعید (فرزند دوم ملا قطب الدین شہید) اور کچھ طلبا، نیز پرگنہ سہالی کے قاضی کے نائب قاضی عبداللہ کے بھائی شیخ فضل اللہ بھی اس ہنگامہ میں زخمی ہوئے۔

ملا قطب الدین کی شہادت کی یہ سب سے قدیم اور مستند تفصیلی روئیداد ہے، یہ اس محضر کا اقتباس ہے، جو ملا قطب شہید کے فرزندوں نے مرتب کیا تھا، اور جوار کے معززین نیز عمال شاہی کے دستخط اس پر لے کر اورنگ زیب عالمگیر کے سامنے پیش کیا تھا، اس محضر سے جو ہنوز موجود ہے (اور مولانا محمد میاں صاحب فرنگی محلی جانشین مولانا قیام الدین محمد عبدالباری فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کی ملک میں ہے) اس حادثے کی دیگر تفصیلات پر بھی پوری روشنی پڑتی ہے، اس چشم دید بیان کے پیش نظر ان قیاس آرائیوں یا روایتوں کی حاجت نہیں رہتی جو اس حادثے کے سلسلے میں تذکرہ نویسوں نے لکھی ہیں۔

اس سنسنی خیز واقعہ کے اسباب و علل کی توجیہ کے سلسلے میں مورخ کو قیاس آرائی سے کام لینے کی گنجائش ضرور ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ظلم اور طغیان بجائے خود ہی ظلم و فساد کا سبب ہوا کرتا ہے،

قصبہ سہالی کے عثمان زادوں اور شیوخ عثمانی اور انصاریوں کے درمیان زمیندارانہ نزاع کو ملا صاحب سے عداوت کا سبب قرار دینا کوئی دور رس تحقیق نہیں مانی جا سکتی، اس لیے کہ ایسی نزاع اور رقابت قصبات کی زندگی میں عامۃً اور رہی ہے، قصبہ سہالی میں بھی یہ نزاع ہو سکتی تھی اور بھی

لیکن ملا قطب شہید کا اس میں موثر فریق کی حیثیت سے رکھنا قوی تاریخی ثبوت کا محتاج ہے، اس محضر کے ذریعہ ملا قطب کے معمولاتِ زندگی پر جو روشنی پڑتی ہے، اس سے، زمیندارانہ نزاعوں میں ان کی عملی شرکت کا عدم امکان ضمنی طور پر واضح ہو جاتا ہے:-

براصاغر و اکابر این دیار روشن و ہویداست کہ مولوی مذکور (ملا قطب الدین شہید) موصوف بکمالات انسانیہ و فضائل علمیہ و عملیہ و حافظ قرآن مجید بودہ وغیر اشتغال تدریس و تکرار با طلبۂ علوم دینیہ و عبادت و طاعت کارے نداشتند و در اوقات فراغ از درس و عبادت بہ تصنیف در علم تفسیر و حدیث و فقہ و اصول می پرداختند

اس جوار کے تمام چھوٹے بڑے بخوبی جانتے ہیں کہ ملا قطب الدین شہید کمالات انسانیہ اور علمی اور عملی فضائل سے متصف اور حافظ قرآن مجید تھے، علوم دینیہ کے طلبہ کے درس و تدریس اور عبادت خداوندی کے علاوہ ان کا کوئی اور کام ہی نہ تھا، درس و عبادت سے فرصت کے اوقات میں تفسیر و حدیث فقہ اور اصول فقہ و حدیث کے ایسے علوم میں تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے تھے،

"غیر اشتغالِ تدریس و تکرار و عبادت و طاعت کارے نداشتند" کے الفاظ بڑی وضاحت کے ساتھ ملا قطب کے معمولاتِ روز و شب کو پیش کر دیتے ہیں، ان علمی مصروفیتوں اور روحانی مشغولیتوں میں جائداد کے جھگڑوں اور زمیندارانہ نزاع کی کوئی جگہ نظر نہیں آتی، یہ قیاس کسی حد تک درست معلوم ہوتا ہے کہ شورہ پشتوں کے ظلم و جور کے ارمانوں کے پورا ہونے میں ملا صاحب کی وجاہت اور اصاغر و اکابر میں ان کی مقبولیت سد راہ رہی ہوگی، شہنشاہ وقت اورنگزیب عالمگیر تک ملا صاحب کے علم و فضل، زہد و اتقا اور قناعت و گوشہ نشینی کی خصوصیتوں سے کماحقہ واقف تھا، اس نے بارہا ملا قطب سے ملاقات کی درخواست بھی کی تھی، مگر قطب نے اپنی جگہ سے ہلنے سے ہمیشہ انکار کیا

فرحۃ الناظرین (مخطوطہ آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڈھ) کے الفاظ ہیں۔

ملا قطب الدین شہید سہالوی در علوم معقول و منقول
سبقت از ہم سراں ربودہ، و پائے قناعت در
دامن عزلت چیدہ پیش اغنیا نمی رفتند و پیوستہ
بدرس طلبۂ علوم و کسب علوم معنوی پرداختہ در قصبہ
سہالی کہ از مضافات لکھنؤ است بسر می بردند
بارہا عالمگیر بادشاہ بتصدیعۂ ملاقات ملا گردید
ملتمس ادراید رجۂ اجابت نفرمودہ اکثرے را
از مرتبۂ شاگردی باوج استادی رسانیدند
از جملۂ تلامذۂ ایشاں ملا قطبی شمس آبادی کہ از
فحول علما است و مصنف مسلم الاصول و میزان المسلم
از تلامذۂ آں تحریر زماں بودند، توصیفش از احاطۂ
تقریر و تحریر خارج. بالآخر باغوائے بعضے مفسدہ
در سنہ چہل وہفت عالمگیری در قصبۂ مذکور
شہید شدند

ملا قطب الدین شہید سہالوی علوم عقلیہ و نقلیہ
میں اپنے ہم عصر علماء پر فوقیت رکھتے تھے، اور
گوشہ نشینی کے دامن میں پائے قناعت کو لپیٹے
رہتے تھے، امیروں اور دولتمندوں کے پاس وہ
نہیں جاتے تھے، اور برابر طلبائے علم کو پڑھانے نیز
علوم معرفت کے کسب میں رہتے تھے، قصبہ سہالی میں
جو لکھنؤ کے مضافات میں ہے زندگی گزارتے رہے، عالمگیر
بادشاہ نے بارہا ملا صاحب کو ملاقات کی زحمت
دی مگر ملا صاحب نے اس خواہش کو قبول کرنے سے انکار کردیا،
انھوں نے بہت سے لوگوں کو شاگردی کے نچلے درجے سے
اٹھا کر استادی کے اعلیٰ مرتبے تک پہنچا دیا، من جملہ
ان کے شاگردوں کے ملا قطبی شمس آبادی (ملا قطب الدین
شمس آبادی) جو زبردست علماء میں تھے، نیز مسلم
الاصول (مسلم الثبوت) اور میزان المسلم کے مصنف
(یعنی ملا محب اللہ بہاری) اس علامۂ روزگار کے
شاگرد تھے، ملا قطب شہید کے تمام اوصاف بیان
کرنے اور تقریر و تحریر کے امکان سے خارج ہے،
بالآخر کچھ شر پسندوں کی سازش سے عالمگیری جلوس کے
۴۷ ویں سال قصبہ مذکور (قصبہ سہالی) میں ملا قطب الدین
[illegible]

فرحۃ الناظرین کا مصنف بارہویں صدی ہجری کے آخر کا ہے، اسی صدی کے آغاز میں واقعۂ شہادت پیش آیا تھا، تیرہویں صدی ہجری کے آغاز کی ایک تصنیف میں جس کے مصنف ملا محمد ولی اللہ انصاری فرنگی محلی ہیں، جو چار واسطوں سے ملا قطب شہید کے پوتے ہیں، ملا قطب شہید کے ساتھ عالمگیر کی عقیدت مندی کا حال اس طرح ملتا ہے:۔

چو آوازۂ علم و فضل مولانا قطب الدین دراں
دیار اشتہار تمام تمام پیدا کرد و بلکہ بسائر ممالک
ہندستان انتشار یافتہ و خبر جودت فضیلت
و تحصیل فراغ بسیاری از مردماں بخدمت
ایشاں بسمع اورنگ زیب بادشاہ غازی رسید
بادشاہ نیک خصال ہمیشہ رسم نامہ و پیام
بخدمت مولانا می داشت و رسوخ کمال
بخدمت ایشاں پیدا ساخت ازیں جہت
اکثر امیران بادشاہی را بخدمت می فرستاد
(عمدۃ الوسائل از مولانا محمد ولی اللہ فرنگی محلی)

جب ملا قطب الدین کے علم و فضل کا شہرہ آس پاس
کے علاقوں میں خوب ہو چکا بلکہ تمام ہندستان
میں پھیل گیا، اور ملا صاحب کی ذہانت اور فضیلت نیز
ان کی خدمت میں پڑھنے والوں کے جلد از جلد فارغ
التحصیل ہونے کی خبر نیک خصال اورنگ زیب
بادشاہ غازی کو پہنچی تو اس نے سلسلۂ مراسلت
ملا صاحب سے برابر جاری رکھا، اور انتہائی عقیدت
اسے ملا صاحب سے ہوگئی یہی وجہ ہے کہ اورنگ زیب
اپنے امرا اور حکام کو ملا قطب الدین شہید کی خدمت
میں بھیجا کرتا تھا،

اور یہی وجہ ملا قطب الدین کی اشقیا کے ہاتھوں شہادت کی بھی ہوئی، جیسا کہ ملا محمد ولی اللہ فرنگی محلی اس کے آگے لکھتے ہیں:۔

ایں معنی محل خطر در خواطر اشقیا گشتہ کہ مبادا
ایں بدنہاد بہائے اسمع بادشاہ رسد و بقہر
سلطانی ہلاک شدیم باہم مشورت کردند

عالمگیر کی اتنی عقیدت مندی اور امرائے شاہی کی
ملا صاحب کی خدمت میں برابر آمد و رفت اشقیا کے
لیے سبب خوف بن گئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان شوریدہ پشتوں

کہ مولوی را از میان برداریم تا این خطرہ دور شود و خاطر جمعی حاصل گردد

کی بدمعاشیاں بادشاہ کے علم میں آجائیں اور ان پر قہر شاہی نازل ہو جائے، ان اشقیا نے باہم صلاح و سازش کی کہ ملا قطب الدین کو درمیان سے ہٹا دینا چاہیے تاکہ یہ اندیشہ رفع ہو جائے اور پوری طرح سکون ہو جائے

خیال یہی ہوتا ہے کہ ان شورہ پشتوں کو شک ہوا یا واقعہ یوں ہی پیش آیا کہ قصبۂ سہالی میں ان لوگوں نے جو فساد عرصہ سے برپا کر رکھا تھا، اس کی اطلاع ملا صاحب کے ذریعہ بادشاہ کے کانوں تک پہنچ گئی ہے اور قبل اس کے یہ اشقیا قہر سلطانی سے ہلاک ہوں، انھوں نے ملا صاحب سے بدلہ لینے کے لیے ملا محمد ولی اللہ فرنگی محلی کے الفاظ میں "بطریق ڈاکہ" ملا صاحب کے گھر پر چڑھ آئے۔

اس واقعہ سے متعلق چشم دید بیان بادشاہ کو پیش کیے جانے والے محضر کے جملے بھی اس سلسلے میں بیحد اہم ہیں:

و نعش مولوی را جا بجا مدفون می کردند و می برآوردند آخر بعد نہ روز ہر دو دست بریدہ گرفتند و نعش بہ قصبۂ سہالی فرستادند

ملا قطب الدین کی لاش کو ایک جگہ دفن کرتے پھر نکالتے پھر دوسری جگہ دفن کرتے پھر نکالتے رہے بالآخر نو دن کے بعد ملا صاحب کی لاش کے دونوں ہاتھ کاٹ کر رکھ لیے اور لاش قصبۂ سہالی بھجوا دی،

لاش کے دونوں ہاتھ کاٹ لینے کو محض "مثلہ" کی شقاوت تک محدود نہیں رکھا جاسکتا، اس لیے کہ سنگ دلی اور انتقام کی آگ کو ہاتھوں کو لاش سے جدا کر لینے سے ٹھنڈا نہیں کیا کرتے بلکہ یہ وحشیانہ حرکت ضمناً اس پر دلالت کرتی ہے کہ اشقیا کے غیظ و غضب کا جو سبب تھا، اس میں ملا صاحب کے ہاتھوں کا دخل ان اشقیاء کی نظر میں ضرور تھا،

بہر حال سند اور قیاس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ملا صاحب کی کسی تحریر سے یا ان امرائے شاہی کی زبانی جو ملا صاحب کی خدمت میں بادشاہ کے بھیجے ہوئے آیا کرتے تھے، قصبہ سہالی کے ان شورہ پشتوں

کا حال بادشاہ کے علم میں آچکا تھا، اسی لیے

وقائع نگار چوں واقعہ بر بادشاہ کردان ایام بدکن رونق بخش بود نوشت فی الفور احکام بادشاہی بصوبہ داران آں نواح رسیدند کہ زود قاتلان مولانا قطب الدین مرحوم را بسزا برسانند و خانہائے ایشاں برکنند و ہر کرا از آنہا یابند بکشند

جب شاہی خبر رسانوں نے ملا قطب الدین کے واقعہ شہادت کی اطلاع بادشاہ عالمگیر کو جو اس زمانے میں دکن میں تھا، بھیجی تو فی الفور شاہی احکام صوبہ داران علاقہ کو موصول ہوئے کہ ملا قطب الدین مرحوم کے قاتلوں کو جلد از جلد سزا دی جائے، ان کے گھروں کو مسمار کر دیا جائے اور قاتلوں میں سے جو بھی ہاتھ آئے اس کو قتل کر دیا جائے،

یہ ملا محمد ولی اللہ فرنگی محلی کی کتاب عمدۃ الوسائل (قلمی مملوکہ مولانا محمد میاں صاحب فرنگی محلی) کا اقتباس ہے، ملا ولی اللہ اسی صدی کے آخر میں پڑھ لکھ کر فارغ ہو چکے تھے جس صدی کے آغاز میں حادثۂ شہادت پیش آیا تھا، محضر اور ملا ولی اللہ فرنگی محلی کی تصریحات زیر غور مسئلہ میں اس لیے قابل ترجیح ہیں کہ ایک چشم دید بیان ہے، دوسرا ایسا مستند مورخ اور تراجم و رجال کا ماہر عالم اور مصنف ہے جس کی ثقاہت غیر نزاعی ہے، رسالہ قطبیہ (قلمی مملوکہ مولانا محمد میاں صاحب فرنگی محلی) کے مصنف بھی ملا قطب الدین شہید کے احفاد میں ہیں اور ملا ولی اللہ سے ایک پشت اوپر ہیں، لیکن رسالہ قطبیہ کی تصنیف اور ملا ولی اللہ کی اس تصنیف کے درمیان صرف سات سال کا فرق ہے، رسالہ قطبیہ ۱۲۰۲ھ میں تمام ہوا اور ملا ولی اللہ کی کتاب عمدۃ الوسائل ۱۲۰۹ھ میں تکمیل ہوئی اور بحیثیت مصنف و مورخ ملا ولی اللہ اثقہ اور اثبت مانے جاتے ہیں،

نسب و وطن | ملا قطب الدین شہید نسباً انصاری مسکناً سہالوی اور اصلاً مدنی تھے، خاندانی شجرے کی نقلوں کے درمیان جزوی اختلافات کے باوجود یہ امر متفقہ ہے کہ ملا قطب الدین، میزبان رسول کریم حضرت ابو ایوب انصاری مدنیؓ کی نسل میں شیخ الاسلام ابو اسماعیل حضرت عبد اللہ انصاری ہروی

کے واسطے سے تھے، نسب ناموں میں جزوی اختلاف بہت عام بات ہے، علمائے فرنگی محل نے ان اختلافات کو رفع کرنے میں "تحقیق بسیار و تدقیق بے شمار" سے ہر زمانے میں کام لیا ہے، ان تحقیقات کی تفصیلات میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے، ملا قطب الدین شہید کے والد ماجد کا نام ملا عبد الحلیم تھا، ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی بعض کتابیں آج بھی محفوظ ہیں، جن میں سے ایک مخطوطہ کا ترقیمہ یہ ہے:-

"تمام شد نسخہ اسبعیات[1] بخط احقر الانام عبد الحلیم بن عبد الکریم بن شیخ احمد بن شیخ حافظ انصاری ساکن قصبہ سہالی سرکار لکھنؤ بتاریخ ۲۵ ماہ شہر محرم یوم سہ شنبہ وقت ظہر در مقام لاہور سنہ ۱۰۴۹ھ"

خاتمۂ کتاب پر ملا عبد الحلیم کی مہر ہے جسکی عبارت اس طرح ہے: "خاک راہ اہل حق عبد الحلیم بن عبد الکریم"۔ اسی طرح انکی لکھی ہوئی ایک کتاب کا ترقیمہ ہے: "هذا الكتاب المسمى مقصود القاصد بخط عبد الحليم بن شيخ عبد الكريم في وقت الظهر من يوم السابع عشر من ذي القعدة سنة ۱۰۵۱ ببلدة لاهور"۔

خاتمۂ کتاب پر مہر بھی ہے جس کی عبارت وہی "خاک راہ اہل حق عبد الحلیم بن عبد الکریم" ہے۔

ملا قطب الدین شہید کے آباء و اجداد میں سے چار مسلسل ناموں کا علم ملا عبد الحلیم کی اس تحریر سے ہوا، یعنی عبد الحلیم (باپ) عبد الکریم (دادا) شیخ احمد (پردادا) اور شیخ حافظ انصاری (سگڑ دادا) یہ آخری بزرگ شیخ حافظ الدین انصاری وہی ہیں جن کو فخر المتاخرین مولانا ابو الحسنات محمد عبد الحئی فرنگی محلی نے اپنے تحقیق کردہ نسب نامے میں "حافظ الدین محمد اللاہوری مولداً و منشاءً" لکھا ہے، اور اسی بنیاد پر جامع صغیر کے مقدمہ النافع الکبیر میں تحریر فرمایا ہے "قد انتقل آباءنا من المدينة المنورة الى هرات ثم منها الى دهلى ثم منها الى لاهور ثم منها الى سهالى"۔ (یعنی ہمارے آباء و اجداد مدینہ منورہ سے ہرات وہاں سے دہلی وہاں سے لاہور وہاں سے سہالی منتقل ہوئے) النافع الکبیر کے پہلے اڈیشن میں جو مطبع مصطفائی میں طبع ہوا ہے یہی الفاظ ہیں، دوسرے اڈیشن میں جو دبدبۂ احمدی پریس میں چھپا "ثم منها الى لاهور" کے الفاظ نہیں ہیں اور مولانا عبد الحئی کے مسودے میں بھی قلم زدہ ہیں، غالباً یہی ہوا کہ

[1] سبعیات شیخ ابو نصر محمد بن عبد الرحمن الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے جس میں سات کے عدد کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہمیت اور فضیلت کو ثابت کیا گیا ہے، ساری بحث اس طرح ہے کہ سات چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے سات چیزوں سے مزین کیا ہے، پھر ان سات چیزوں کو دوسری سات چیزوں سے مزین کیا، تاکہ عالموں یا عاملوں کو معلوم ہو جائے کہ مالک نفع و نقصان کے نزدیک سات کے عدد کی کیا اہمیت ہے

چونکہ علمائے فرنگی محل کے اجداد کا لاہور میں قیام مستند طور پر مسموع نہیں ہوا تھا، اس لیے محقق جلیل مولانا عبد الحئی نے اسے لکھنے کے بعد قلمزد کر دیا، بہرحال یہی ملا حافظ وہ ہیں جن کو خاندان فرنگی محل میں "دادا حافظ" کے نام سے یاد کیا جاتا رہا ہے، ان ہی دادا حافظ کے نام جو بڑے عالم اور مدرس تھے، اور جن کے پاس دور دور سے طلبہ تحصیل علم کے لیے آتے تھے، شہنشاہ اکبر نے بڑے رقبۂ زمین کی معافی کا ایک فرمان جاری کیا تھا، جو اب تک خراب و خستہ حالت میں مولانا محمد میاں صاحب کے پاس محفوظ ہے، اس اکبری فرمان میں شیخ حافظ انصاری کا نام "شیخ حافظ ولد فضل اللہ" لکھا ہے، اس طرح ملا قطب شہید کے نسب نامہ میں پانچواں نام یعنی شیخ فضل اللہ بھی مستند ذرائع سے شامل ہو گیا،

مولانا محمد ولی اللہ فرنگی محلی نے اغصان اربعہ (مطبوعہ) میں لکھا ہے:-

بباید دانست کہ حضرت مولانا شہید در خاتمۂ کتاب لویحات کہ بخط خاص خود ترقیم فرمودہ است نسب خود را ایں طور نوشتہ "قطب الدین ابن عبد الحلیم بن عبد الکریم بن احمد بن حافظ بن فضل اللہ بن بدھ بن نظام الدین بن علاء الدین الانصاری تا اینجا در نسب اختلاف نیست، و ہم وے قدس سرہ شیخ علاء الدین را از احفاد خواجہ عبد اللہ الانصاری کہ بشیخ الطائفہ "و پیر طریقت" و "حضرت خواجہ" معروف است شمردہ و مزار وے در شہر ہرات واقع است نیز او را دستبرک بدیدار اقدس

ملا قطب شہید نے کتاب لویحات کے خاتمے پر جو خود اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، اپنا نسب نامہ اس طرح لکھا ہے قطب الدین بن عبد الحلیم بن عبد الکریم بن احمد بن حافظ بن فضل اللہ بن بدھ بن نظام الدین بن علاء الدین الانصاری، یہاں تک نسب نامے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔" اور حضرت ملا صاحب شہید نے شیخ علاء الدین انصاری کو خواجہ عبد اللہ انصاری کی اولاد سے جن کو "شیخ الطائفہ" "پیر طریقت" اور "حضرت خواجہ" کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے گنایا ہے حضرت خواجہ کا مزار ہرات میں ہے، جو زیارت گاہ اور متبرک ہے، حضرت خواجہ کو "شیخ الانصار"

شیخ الانصار ہم می گویند و نسب شریفش را تا بہ ابو ایوب انصاریؓ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسانیدہ اند

بھی کہتے ہیں، ان کا (حضرت خواجہ کا) نسب حضرت ابو ایوب انصاریؓ تک جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ شریف میں میزبان تھے، لوگوں نے ملایا ہے،

ملا محمد عبد الباقی الانصاری فرنگی محلی مہاجر مدنی نے اپنے رسالہ قرۃ الابصار فی نسب قطب الانصار (قلمی) میں لکھا ہے:

نیز راقم الحروف بخط ملا قطب الدین شہید ہم در خاتمۂ شرح حیغمینی کہ بقلم خود تحریر فرمودہ اند ہمچو بالمشاہدہ نمود

میں نے بھی یہی نسب نامہ (جو ملا محمد ولی اللہ فرنگی محلی نے اغصان اربعہ میں ملا قطب الدین شہید کی لکھی ہوئی کتاب تلویحات سے نقل کیا ہے) ملا قطب الدین شہیدؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا شرح حیغمینی کے آخر میں خود دیکھا ہے، اور یہ شرح حیغمینی ملا قطب الدین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

ملا عبد الباقی فرنگی محلی نے اس رسالے میں استاذ الہند ملا نظام الدین کا ایک محدثانہ جواب بھی اس سلسلے میں نقل کیا ہے،

گفتہ اند کہ نسابہ از ہرات پیش حضرت ملا نظام الدین آمدہ بود گفت کہ عبد اللہ انصاری پسرے نداشت آں یک بچہ را از سادات پرورش نمودہ چونکہ شیخ الاسلام مشہور بود آں بچہ را بوے نسبت نمودند و فی الحقیقت

ہرات سے ایک ماہر نسب ملا نظام الدین کے پاس آیا اور اس نے کہا شیخ الاسلام حضرت عبد اللہ الانصاری کے کوئی صاحبزادے نہیں تھے، انھوں نے ایک بچہ کو جو سادات میں تھا پرورش فرمایا تھا، چونکہ شیخ الاسلام مشہور شخصیت تھے، اس بچے کو

اولاد سادات ہستند ملا فرمودند اگر ایں درست است روز قیامت ما را سود باشد کہ در حدیث است کل نسب و صہر ینقطع یوم القیامۃ الا نسبی و صہری و در دنیا گفتہ یک کس کہ حال صدق و کذب وے ہم مجہول است نسب مشہور خود بچہ طور تغیر دہم

ان ہی سے منسوب کر دیا تھا، درحقیقت وہ سادات کی اولاد تھا، ملا نظام الدین نے فرمایا کہ اگر یہ درست ہے تو اس کا نفع روز قیامت میں اٹھایا جائے گا اس لیے کہ حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب نسب اور سب رشتے سوائے میرے نسب اور رشتے کے ٹوٹ جائیں گے دنیا میں محض ایک شخص کے کہنے سے جس کے صدق و کذب کا حال بھی تحقیق سے معلوم نہیں، میں کیسے مشہور نسب نامہ میں تغیر و تبدل کر دوں؟

ملا عبد الاعلیٰ فرنگی محلی (ملا نظام الدین کے بڑے پوتے) نے بھی اس واقعہ کا ذکر رسالہ قطبیہ (قلمی) میں کیا ہے، اور ملا صاحب کا جواب مختصر طور پر اس طرح نقل کیا ہے:-

مولانا عارف جواب داد کہ خبر مشہور را بخبر واحد نباید گذاشت

مولانائے عارف (یعنی ملا نظام الدین) نے جواب دیا کہ خبر واحد کی بناء پر خبر مشہود کو ٹھکرایا نہیں جا سکتا ہے،

ملا قطب شہید کے اجداد میں ملا نظام الدین بن ملا علاء الدین (ساتویں پشت) سب سے پہلے سہالی (ضلع بارہ بنکی) میں آکر قیام پذیر ہوئے، سہالی ہی میں انکا مزار ہے جو انکی نسبت سے "روضہ" کہلاتا ہے،

ملا قطب کی ولادت اسی قصبہ سہالی میں ہوئی اور غالباً [illegible] ان کا سنہ ولادت ہے، تذکرہ نویسوں نے تاریخ ولادت کا ذکر نہیں کیا ہے، لیکن ملا عبد الاعلیٰ فرنگی محلی نے رسالہ قطبیہ (قلمی) میں ملا قطب شہید کے بارے میں لکھا ہے:

اکثر دعائے شہادت خود می کردند و طلب

ملا قطب شہید اکثر اپنی شہادت کی تمنا کرتے تھے

عمر مسنون می نمودند مستجاب شد

اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کی دعا فرمایا کرتے تھے، دونوں دعائیں قبول ہوئیں۔

ملا قطب کی شہادت سنہ ۱۱۰۳ھ میں ہوئی، اس میں سے ۶۳ سال جو عمر نبوی کے ہیں وضع کرنے سے قریب قریب سنہ ۱۰۴۰ھ بر آمد ہوتا ہے،

ملا قطب شہید کے والد ملا عبد الحلیم سنہ ۱۰۴۹ھ اور سنہ ۱۰۵۱ھ میں یقیناً لاہور میں تھے، جیسا کہ انکی مخطوطہ کتب کے ترقیموں سے ظاہر ہے، انھوں نے لاہور میں ملا عبد السلام دیوی سے جو لاہور کے مدرسے میں مدرس تھے، پڑھا تھا، اور پھر ان ہی کے مدرسے میں مدرس بھی ہو گئے، مولانا عبد الباری فرنگی محلی نے تاریخ فرنگی محل (قلمی) میں لکھا ہے:۔

"ملا عبد الحلیم نے ملا عبد السلام ساکن قصبۂ دیوا سے تحصیل علوم کیا، اور لاہور کے مدرسے میں مدرس رہے، بلکہ ان کا لکھا ہوا ہدایہ لاہور میں تمام ہوا ہے جس کے آخر میں لکھتے ہیں، ترجمہ عربی عبارت کا یہ ہے:

"تمام ہوا نصف آخر ہدایہ بخط عبد ضعیف محتاج الی رحمۃ ربہ الغنی العظیم محمد عبد الحلیم بن عبد الکریم انصاری ساکن قصبۂ سہالی من مضافات شہر لکھنؤ ساتھ پڑھنے ہدایہ کے خدمت میں استاد علمائے عصر نخبۃ الفضلاء الفحول فی المعقول و المنقول لاسیما فی الفقہ و الاصول حضرت شیخ عبد السلام الاعظمی بوقت عصر بروز چہار شنبہ ۲۰ ماہ رمضان المبارک سنہ [illegible] ھ بلدہ دار السلطنت لاہور میں۔" اور اس پر ان کے حواشی بھی ہیں، ان کی فقر و زہد کی طرف بہت توجہ تھی، اس وجہ سے ان کو علمائے ربانیین میں شمار کرتے ہیں، وفات فرمائی انھوں نے سہالی میں اور وہیں دفن ہوئے۔"

ملا قطب شہید بچپن میں اپنے ننہیال قصبۂ گڑھی بھلول (ضلع بارہ بنکی) میں رہے ہیں، غالباً یہ وہی زمانہ ہے جب ان کے والد ماجد وطن سے بہت دور لاہور میں قیام پذیر تھے، یعنی ملا قطب کی عمر کے گیارہویں بارہویں سال تک،

ثقات گفته اند که مولانا در ایام طفولیت بخانهٔ جد خود که ملک حمزه نام داشت رفته بود ملک مذکور بخدمت شاه حمید ابدال رسوخ و نیاز تمام داشت بدان جهت مولانا را نیز همراه خود بخدمت ایشان برده شاه حمید قدس سره چون شکل مولانا از دور دید بغایت شادمانی نزد خود طلبیده در آغوش خود گرفت الطافها بنسبت ایشان مبذول داشته بسر دست بر شکم مولانا نهاده فرمود که علم در شکم این طفل پر ساخته اند چندانکه پشت در پشت در خانهٔ این بهمین عنوان طریقهٔ علم خواهد ماند بعد از ان پرسیدند شما چه می خوانید مولانا عرض ساخت کافیهٔ شیخ ابن حاجب...... شاه صاحب موصوف قدس سره بعد از ان مولانا را چیزے بطریق تبرک عنایت فرموده رخصت نمود و تقید کسب علوم فرمود (عمدة الوسائل قلمی)

معتبر حضرات کا کہنا ہے کہ مولانا قطب الدین بچپن میں اپنے نانا کے گھر جن کا نام حمزہ تھا، (قصبہ گڑھی بھلول ضلع بارہ بنکی) گئے ہوئے تھے، ملک حمزہ کو شاہ حمید ابدال کی خدمت میں انتہائی عقیدت اور رسوخ تھا، اس لیے جب وہ شاہ حمید قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ملا قطب الدین کو بھی ہمراہ لیجاتے تھے، شاہ صاحب نے دور ہی سے مولانا کی شکل دیکھتے ہی (حالانکہ مولانا بالکل بچے تھے) انتہائی خوشی اور مسرت کے ساتھ پاس بلایا اور اپنی گود میں لے لیا، بے اندازہ شفقتیں فرمائیں، اس کے بعد مولانا قطب کے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ اس بچے کے پیٹ کو علم سے بھرپور کر دیا گیا ہے، پشت در پشت اس کے گھرانے میں اسی طرح سے علم کا چلن رہے گا، اس کے بعد شاہ صاحب نے مولانا سے دریافت فرمایا کہ تم کیا پڑھتے ہو، مولانا نے جواب میں عرض کیا "شیخ ابن حاجب کی کافیہ"...... اس کے بعد شاہ حمید ابدال قدس سرہ نے بطور تبرک کے کوئی چیز مرحمت فرما کر مولانا کو جانے کی اجازت دی اور تحصیل علم کی سخت تاکید فرمائی۔

ملا قطب شہید جو کافیۂ شیخ احمد بن حاجب تک پڑھ چکے تھے، اس کے بعد اپنے والد ماجد کے پاس بغرض تکمیل تعلیم لاہور چلے گئے،

آمدے ہمراہ والد خود در لاہور ماند و دراں	ایک مدت تک اپنے والد کے ہمراہ لاہور میں
ملک تحصیل نمود و بتدریس اکثر علوم در آں	تحصیل علم کرتے رہے، اکثر علوم کی تعلیم ملا عبدالسلام
ملا عبدالسلام دیوی کہ دراں ایام مدرس	دیوی (دیوہ ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے) کے
آنجا بود تکمیل نمود غرض در ہر فن از اصول	مدرسہ میں کی (ملا عبدالحلیم اس زمانے میں وہاں
و فقہ و معانی و منطق و طبیعی و الٰہی و ریاضی	مدرس تھے، اور فراغت حاصل کی، بہرحال تمام فنون
و دیگر فنون غریبہ و حدیث کامل شدہ	اصول، فقہ، معانی، منطق، طبیعی، الٰہی، ریاضی
(عمدۃ الوسائل قلمی)	نیز دوسرے نادر فنون (یا عربی علوم) اور حدیث میں کمال حاصل کیا

اساتذہ ملا قطب کے اساتذہ میں ان کے والد ماجد ملا عبدالحلیم کے علاوہ ملا دانیال چوراسی کا اور بعض تذکروں میں ملا عبدالسلام دیوی کا بھی ذکر ہے، ملا عبدالسلام دیوی کو استاد ملا قطب شہید کے ضمن میں مصنف رسالہ قطبیہ نے دو خاص باتیں ملا عبدالسلام دیوی کے بارے میں لکھی ہیں:

(۱) مروج علم اصول در ہند بود	ہندوستان میں علم اصول فقہ کو انھوں نے رواج دیا
(۲) خلاف روایات فتاوی فتوی می دادند	فتاویٰ کی کتابوں میں درج فتووں کے خلاف
چہ اکثر با اصول منطبق نمی یافتند	فتوے دیتے تھے، اس لیے کہ کتابوں میں درج
	فتوے اصول فقہ پر منطبق نہیں ہوتے تھے،

بہرحال ملا قطب الدین شہید کا سلسلۂ تلمذ اس طرح ہے: ملا عبدالحلیم و ملا دانیال چوراسی، دونوں نے ملا عبدالسلام دیوی سے، انھوں نے ملا عبدالسلام لاہوری سے، انھوں نے میر فتح اللہ شیرازی سے، انھوں نے خواجہ جمال الدین محمود شیرازی سے، انھوں نے علامہ جلال الدین دوانی سے

انھوں نے علامہ محی الدین کوشکناری اور خواجہ حسن شاہ بقال سے انھوں نے میر سید شریف جرجانی سے انھوں نے مبارک شاہ سے اور انھوں نے علامہ قطب الدین رازی سے پڑھا۔

ملا قطب شہید، تذکرہ نویسوں کی صراحت کے مطابق تیس سال کی عمر میں جملہ علوم و فنون ظاہری میں فارغ ہو کر اپنے والد ماجد کے ہمراہ لاہور سے وطن واپس آکر قصبہ سہالی میں مسند درس پر بیٹھے اور چالیس سال کی عمر میں حضرت شاہ محب اللہ الہ آبادی چشتی وجودی کے خلیفہ اور جانشین قاضی گھاسی الہ آبادی سے علوم باطنی حاصل کیے اور سلسلۂ چشتیہ میں ان کے مرید اور خلیفہ مجاز ہوئے، تخمینی حساب سے یہ ۱۰۸۰ھ ہوگا۔ قاضی گھاسی کا پورا نام قاضی صدر الدین تھا۔ درس و تدریس اور رشد و ہدایت کا سلسلہ ملا قطب شہید سے اس قدر وسیع ہوا کہ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کے بیان کے مطابق

امام اساتذہ و مقتدائے جہابذہ معدن عقلیات	اساتذہ کے امام، دانشوروں کے پیشوا معقولات
و مخزن نقلیات ملا قطب الدین عمرہا انجمن درس	کی کان اور منقولات کے خزانے ملا قطب الدین نے
آراست و جہاں جہاں ارباب تحصیل را بپایۂ	ایک عرصے تک مسند درس کو رونق بخشی اور جگہ جگہ
تکمیل رسانید و امروز سلسلۂ استفادہ اکثر	کے طلبۂ علم کو درجۂ کمال تک پہنچایا، آج مملکت
علمائے کشور ہندوستان بہ او منتہی می شود	ہندوستان کے بیشتر علماء کا سلسلۂ تلمذ ملا
(مآثر الکرام)	قطب الدین تک پہنچتا ہے۔

علامہ آزاد بلگرامی نے ملا قطب کے سال شہادت کے بارے میں لکھا ہے کہ:-

شخصے مصراع تاریخی در بحر خفیف یافتہ کہ	ایک شخص نے بحر خفیف میں مصرعۂ تاریخ وفات
دراں ترکیب توصیفی قطع می شد لہٰذا فقیر	دریافت کیا تھا جس میں ترکیب توصیفی منقطع ہو گئی تھی،
مصراع را در وزن رباعی بردہ سہ مصراع	اسی لیے فقیر (علامہ آزاد بلگرامی) نے اس مصرع کو رباعی
دیگر ضم ساخت:-	کے وزن میں منتقل کر کے تین مصرعے اس میں اضافہ کر دیے:

علامۂ بحر زاخر فضل و ہنر — در دامنِ ارباب طلب ریخت گہر

دل خون شدہ تاریخ وفاتش فرمود — قطب عالم شدہ شہید اکبر
۱۱۰۳ھ

(فضل و ہنر کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، علامۂ روزگار جس نے ارباب علم کے دامنوں کو موتیوں سے بھر دیا)

دل نے خون ہو کر ان کے وفات کی تاریخ یہ کہی : قطب عالم شدہ شہید اکبر۔
۱۱۰۳ھ

ملا قطب شہید کی ایک خصوصیت کا تقریباً سب تذکرہ نویس مشترک الفاظ میں ذکر کرتے ہیں، یعنی "ارباب تحصیل را بہ پایۂ کمال رسانید" (غلام علی آزاد بلگرامی)، "اکثرے را از مرتبۂ شاگردی باوج استادی رسانیدند" (فرحۃ الناظرین)، "تحصیل فراغ بسیاری از مرد ماں بخدمت ایشاں" (عمدۃ الوسائل)، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملا صاحب کا اپنے عہد میں اصلی امتیاز خوبی درس تھا، اور درس کی خوبی "تحصیل فراغ بسیاری" یعنی جلد فارغ التحصیل کرا دینا تھی، "تحصیل فراغ بسیاری از مرد ماں بخدمت ایشاں" کا یہ مطلب میں نے سمجھا ہے، دوسرا مطلب "بسیارے از مرد ماں" بھی ہو سکتا ہے، یعنی بڑی تعداد میں لوگ ملا صاحب کی خدمت میں پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے، اس مطلب سے بھی خوبی درس پر ہی روشنی پڑتی ہے،

تلامذہ اس کے علاوہ ملا صاحب کے درس کی خوبی، متانت اور اتقان کو ان اجلۂ علماء کے کارناموں سے بھی جانچا جا سکتا ہے، جو ملا صاحب کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کر کے استادی کے درجہ تک پہنچے، ان میں سے چند نام تاریخ نے محفوظ کر لیے ہیں :-

(۱) قطب الدین شمس آبادی مسکناً و امیٹھوی موطناً (۲) حافظ امان اللہ بنارسی (۳) قاضی محب اللہ بہاری (۴) قاضی شہاب الدین گوپاموی (۵) حاجی صبغۃ اللہ خیرآبادی (۶) زین العابدین سندیلوی (۷) قاضی دولت سہالوی (۸) ملک بہاء الدین بلگرامی (۹) میر عبد الہادی بن میر عبد الجلیل بلگرامی (۱۰) ملا محمد غوث کاکوروی (۱۱) مولوی اسمٰعیل اورنگ آبادی (۱۲) ملا محمد اسعد فرزند اکبر ملا قطب شہید و ملا محمد سعید (فرزند دوم ملا قطب شہید) اور (۱۳) ملا علی قلی جائسی،

یہ تمام تلامذہ اپنے علمی اور تدریسی کارناموں کی بنا پر علٰحدہ علٰحدہ عنوانِ گفتگو بننے کے مستحق ہیں، ملا قطب کے ایک شاگرد کا جو دوسرے پہلو سے تاریخ میں محفوظ رہ گئے، ان علمی شخصیتوں کے ساتھ تذکرہ نگاروں نے نام نہیں لیا ہے، یہ ہیں غلام مصطفیٰ متخلص بہ انسان کنبوہ مراد آبادی "سرو آزاد" میں علامہ بلگرامی نے ان کا تعارف کراتے ہوئے ان کی زبانی ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے :

شیخ غلام مصطفیٰ انسان کامل بود در احاطۂ علوم عقلی و نقلی ممتاز و امثل، تحصیل معقولات بیشتر از ملا قطب الدین سہالوی نمود، و چندے در خدمت شیخ غلام نقش بند لکھنوی تلمذ کرد

شیخ غلام مصطفیٰ انسان علوم عقلیہ و نقلیہ پر حاوی ہونے میں درجۂ کمال رکھتے تھے، اور ہم عصروں میں ممتاز مانے جاتے تھے، اکثر علوم عقلیہ کی تحصیل ملا قطب الدین سہالوی کی خدمت میں کی، اور بہت تھوڑا شیخ غلام نقش بند لکھنوی کی خدمت میں پڑھا،

اس کے بعد لکھتے ہیں :

فرمود، در ایام طالب علمی با جوانے تعلق خاطر پیدا شد، جوانے در قصبۂ از قصبات سکونت داشت خود را بمسکن محبوب کشیدم دوست از تحصیل باز کشیدم قضا را جوانے فوت شد و من بصحرا دادم وقتے ملا قطب الدین را گزرے بداں قصبہ افتاد و از مردم استفسار حال بندہ نمود صورت واقعہ بعرض رسانیدند، فرمود کسے با او بردا را بیارد، مردم گفتند او

شیخ غلام مصطفیٰ نے خود بیان کیا کہ طالب علمی کے زمانے میں ایک نوجوان سے مجھے عشق ہو گیا تھا، یہ جوان ایک قصبہ کا رہنے والا تھا، میں خود کو اپنے محبوب کے وطن میں کھینچ لایا اور پڑھنے پڑھانے سے دست کش ہو گیا، بدقسمتی سے وہ جوان فوت ہو گیا اور میں جنگل کی خاک چھاننے لگا، ایک دفعہ ملا قطب الدین اسی قصبہ میں تشریف لائے اور لوگوں سے میرا حال دریافت کیا، جو معاملہ تھا لوگوں نے عرض کر دیا،

با آبادی زنہار نمی آید، حضرت ملا قلم گرفتہ بر شقہ نوشت "اطرق کراء اطرق کراء ان النعامۃ فی القری" این کلام افسونِ عرب است کہ بآں جانوران وحشی را صید کنند استعمال این کلام دریں مقام نظر بحال شیخ و حضرت ملا کہ استاد بود بسیار بموقعہ واقع شد، بمجرد دیدن شقہ سمعاً و طاعۃً بخدمت ملا شتافتم و سعادت ملازمت دریافتم

ملا صاحب نے فرمایا کہ کوئی جا کر اسکو یہاں لے آئے لوگوں نے کہا وہ بستی میں کبھی نہیں آتے حضرت ملا صاحب نے قلم اٹھایا اور ایک پرزے پر حسب ذیل الفاظ تحریر فرمائے "اطرق کراء اطرق کراء ان النعامۃ فی القری" یہ الفاظ ایک منتر ہیں جن کے ذریعہ اہل عرب جنگلی جانوروں کو قابو میں کیا کرتے ہیں، اس جگہ اس منتر کا استعمال، شیخ غلام مصطفےٰ اور حضرت ملا صاحب کے حال کو دیکھتے ہوئے کہ وہ انکے استاد تھے، انتہائی برمحل تھا، یہ پرزہ دیکھتے ہی میں دوڑتا ہوا ملا صاحب کی خدمت میں بسر و چشم حاضر ہوا اور سعادت زیارت حاصل کی۔

شیخ غلام مصطفےٰ انسان کی وفات علامہ بلگرامی کی صراحت کے مطابق ۱۱۲۶ھ میں ہوئی ان کی قبر ایمجور میں ہے۔

تصانیف | ملا قطب الدین شہید کی تصانیف کے مطالعہ سے دنیا محروم رہی، صرف انکے نام باقی رہ گئے

علامہ آزاد بلگرامی کا کہنا ہے :-

ملا بشرحِ عقائد علامہ دوانی حاشیۂ دقیق تعلیق کردہ بود، فتنہ جویان وقت شب خون خانۂ ملا را آتش زدن حاشیہ مذکور در ضمن اثاث البیت طعمۂ آتش بیداد گردید

(مآثر الکرام)

ملا قطب الدین نے شرح عقائد علامہ دوانی پر بڑی دقت نظر سے ایک حاشیہ لکھا تھا، فتنہ پردازوں نے جب ملا صاحب کے گھر پر شبخون مارا تو گھر کے سامان کے ساتھ یہ حاشیہ بھی بے رحم آگ کا لقمہ بن گیا۔

ملا ولی اللہ فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ

در ہر فن رسالۂ مضبوط و کتاب مستحکم تالیف فرمودہ اشہر آں حاشیۂ تلویح و شرح عقائد نسفیہ و تعلیقات بزدوی و حاشیۂ مطول و رسالۂ تحقیق دار الحرب وغیرہ کتب کثیر الحجم کہ از دست ظلمۂ فسقہ برباد شدند و مسوداتِ بدون نقل سوختند

(عمدۃ الوسائل قلمی)

ہر فن میں ایک مضبوط تصنیف اور مستحکم کتاب انھوں نے تحریر فرمائی تھی، انکی مشہور تصانیف میں حاشیہ تلویح، حاشیہ شرح عقائد نسفی، تعلیقات بزدوی کی شرح حاشیہ مطول اور دار الحرب کی تحقیق میں ایک رسالہ ہے، یہ سب بڑی ضخامت والی تصانیف ظالم بدمعاشوں کے ہاتھوں برباد ہو گئیں، ملا صاحب کی تصانیف کے مسودے جو بغیر نقل کے تھے، ان بدمعاشوں نے جلا دیے۔

مصنف رسالہ قطبیہ ملا عبد الاعلیٰ نے لکھا ہے :-

تصانیفش بسیار بود ہمہ مفقود شدند حاشیۂ شرح حکمۃ العین کہ در کتب خانۂ مولانا کامل موجود است و چند اجزاے مسودہ رسالۂ امور عامہ نیز الحال یافتہ شدند و حاشیہ تلویح تا وقت مولانا عارف موجود الحال مفقود است

ملا قطب الدین کی بہت سی تصانیف تھیں، سب مفقود ہو گئی ہیں، شرح حکمت العین کا حاشیہ ملا بحر العلوم کی کتابوں میں موجود ہے اور امور عامہ کے متعلق ایک رسالے کے چند اجزا ابھی پائے جاتے ہیں، حاشیہ تلویح ملا نظام الدین کے زمانے تک موجود تھا، اب وہ بھی لاپتہ ہو گیا ہے۔

یہ صورت حال بارھویں صدی کے آخر کی ہے، جو مصنف رسالہ قطبیہ نے لکھی ہے، محضر میں جو ملا قطب شہید کے فرزندوں کی طرف سے بادشاہ عالمگیر کو پیش کیا گیا تھا، تحریر ہے:-

کتب مولوی را کہ قریب نہ صد جلد مجتمع بود

ظالموں نے ملا صاحب کے کتب خانہ کو جس میں نو سو کے

اکثرے ازاں آتش دادہ سوختند وازاں میان
مصحف مجید چہار جلد و مشکوٰۃ وغیرہ از کتب
حدیث و مصنفات مولوی حاشیہ تلویح و شرح
عقائد نسفیہ و تفریعات بزدوی و حاشیۂ مطول
وغیرہ کتب کثیر الحجم مشتمل بر فوائد جمیلہ بودند
ہمہ سوختہ شدہ وہمہ را برداشتہ بردند

قریب کتابیں تھیں ان میں اکثر کو آگ لگا کر جلا ڈالا
جن میں قرآن شریف کے چار نسخے، مشکوٰۃ اور حدیث
کی دوسری کتابیں اور ملا قطب شہید کی تصانیف
حاشیۂ تلویح، شرح عقائد نسفیہ، شرح تفریعات بزدوی
اور حاشیۂ مطول وغیرہ شامل تھیں اور جو بڑی ضخیم
اور بہترین مباحث پر مشتمل تھیں سب جل گئیں اور
حملہ آور سب اٹھالے گئے۔

بہرحال اس وقت ملا قطب شہید کی کوئی تصنیف نہیں پائی جاتی ہے، ان کی افسوسناک بربادی کا جتنا ماتم کیا جائے کم ہے، اس سے علمی دنیا ایک ایسے مصنف اور مدرس کے نقطۂ نظر سے محروم ہو گئی جو تدریسی پہلو سے بلاشبہ عہد آخریں تھا، ملا قطب کے علمی عہد کا آغاز ایسے وقت ہوا جب ہندوستان کے بڑے مصنفین زندہ موجود تھے جن میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی، ملا عبد الحکیم سیالکوٹی، میرزاہد ہروی، اور حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی قابل ذکر ہیں، ان حضرات کا رجحان تصنیف جداگانہ تھا، اگر ملا قطب الدین شہید سہالوی کی تصانیف موجود ہوتیں تو علمی حلقوں کو یہ فیصلہ کرنا مشکل نہ ہوتا کہ طریقۂ تدریس میں انقلاب لانے والی اس مقدس ہستی کا رجحان تصنیف کیا تھا۔

علامہ شبلی نعمانی نے اپنے مضمون "فرنگی محل یا نظامیہ بغداد یا ہندوستان کا کیمبرج" میں ملا قطب الدین شہید کو اس طرح نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے:-

"تمام ہندوستان بلکہ انصاف یہ ہے کہ تمام دنیائے اسلام میں یہ بات صرف اس مقدس ذات کو حاصل ہے کہ پورے دو سو برس تک متواتر اور مسلسل بلا فصل ان کی نسل سے علما ہوتے چلے آئے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔"

ملا قطب شہید کا دادھیال سہالی ضلع بارہ بنکی میں اور ننہال گڑہی بھلول ضلع بارہ بنکی میں تھا، ان کے نانا ملک حمزہ شہید عباس گڑہی بھلول کے چودھری تھے، ملا صاحب کی شادی قصبہ بھیجہ ضلع بارہ بنکی میں احرار خاندان میں ہوئی تھی، علامہ شبلی نعمانی نے اپنے اسی مضمون میں لکھا ہے کہ "ملا صاحب کی شادی چودھری محمد آصف سہالوی کی لڑکی سے ہوئی تھی"۔ یہ صحیح نہیں ہے، چودھری آصف کی بیٹی سے ملا صاحب کے سنجھلے بیٹے کا عقد ہوا تھا۔

اولاد ملا قطب شہید کے چار بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں، بیٹیوں کی شادیاں گڑہی بھلول اور گھسکر میں ہوئی تھیں۔

بڑے بیٹے ملا اسعد، منجھلے ملا محمد سعید، سنجھلے ملا نظام الدین اور چھوٹے ملا محمد رضا تھے، ملا اسعد اور ملا سعید نے اپنے والد ماجد ہی سے تحصیل علم کی تھی، بڑے بیٹے ملا اسعد اپنے والد کی حیات ہی میں اورنگ زیب کے پاس چلے گئے تھے، اور اپنی بیوی اور خورد سال بیٹے غلام مصطفیٰ کو اپنے والد کے پاس چھوڑ دیا تھا، وہ عالمگیر کے پاس تھے کہ والد ماجد کی شہادت کی خبر موصول ہوئی، مگر ملا اسعد پھر وطن واپس نہیں آئے، ان کا سال وفات اور مرقد تک معلوم نہیں ہے، ان کا علمی کارنامہ علامہ دوانی کے حاشیۂ قدیمہ پر حاشیہ، آج بھی موجود ہے، جو ان کی علمی قابلیت کی قاطع دلیل ہے، یہ حاشیہ آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں مولانا عبد الحئی فرنگی محلی کلکشن میں ہے۔

منجھلے صاحبزادے ملا محمد سعید ملا قطب کی شہادت کے وقت موجود تھے، اور اس معرکے میں زخمی بھی ہوئے تھے، واقعۂ شہادت کے بعد ہی بیٹے محضر لے کر عالمگیر کے پاس گئے تھے، جو اس وقت دکن میں تھا، عالمگیر نے جو صورت واقعہ سے پہلے ہی مطلع ہو چکا تھا، ملا قطب شہید کے کنبے کی اس خواہش کو کہ وہ اب سہالی میں رہنا نہیں چاہتا معلوم کر کے ان ہی ملا محمد سعید کے ذریعہ کرودری بلدۂ لکھنؤ کو فرمان بھیجا کہ

ہر سہ کہ ملا محمد سعید فرزند ارجمند مولانا	ملا قطب الدین شہید کے فرزند ارجمند ملا محمد سعید اپنے
قطب الدین شہید برائے سکونت خود و دیگر فرزندانِ شہید	اور ملا قطب شہید کے دوسرے بیٹوں کے رہنے کیلیے
مذکور در بلدۂ لکھنؤ تجویز نمایند آں را سپرد	لکھنؤ میں پسند کریں، وہ ان کے سپرد کرکے ان
کردہ بقبضۂ او در آورد،	پر ان کا قبضہ دلایا جائے۔

(انقصان، ابعہ مطبوعہ از مولانا محمد ولی اللہ فرنگی محلی)

کرد میں بلدۂ لکھنؤ اس زمانے میں شیخ حسام الدین تھے جو ملا قطب الدین شہید کے چچیرے بھائی تھے۔ وہ خود اگرچہ لکھنؤ میں تھے لیکن ان کا گھر بار سہالی میں تھا، ان کا گھر بھی ملا قطب شہید کے قاتلین کے ہاتھوں تاراج ہوا،

ملا محمد سعید عالمگیر کا فرمان لیکر کرد میں بلدۂ لکھنؤ کے پاس آئے اور اپنے اور اپنے کنبے کے لیے فرانسیسی تاجر کی اس کوٹھی پر ان کی نظر انتخاب پڑی جو اجارے کی مدت ختم ہو جانے کے بعد سرکاری ملک میں آگئی تھی، اس کوٹھی میں جو "حویلی فرنگی" کہلاتی تھی، اپنے گھر والوں کو بسا کر ملا محمد سعید خاص اس حویلی کا فرمان حاصل کرنے کے لیے دوبارہ بادشاہ کے پاس دکن گئے اور جدید فرمان لیکر جس میں "قطعۂ حویلی فرنگی" کے الفاظ ہیں اور جو اب تک محفوظ ہے واپس وطن آئے،

ملا محمد سعید کچھ عرصہ وطن میں قیام کرکے پھر عالمگیر کے پاس چلے گئے اور وہیں انتقال فرمایا، سال وفات اور مرقد کے سلسلے میں وہ بھی اپنے بڑے بھائی کے ہم قسمت ثابت ہوئے،

اب ملا قطب شہید کے کنبے کی سربراہی ملا قطب کے سنجھلے فرزند کے ذمہ آگئی جو والد ماجد کی شہادت کے وقت صرف ۱۴ سال کے تھے، ان کی تعلیم بھی متوسطات سے آگے نہیں بڑھ پائی تھی، اور یہی چودہ سالہ یتیم تھا جو آوارۂ وطن خانوادۂ ملا قطب شہید کو لیکر سہالی سے لکھنؤ مشکوک اور غیر یقینی مستقبل کے دھندلکے میں روانہ ہوا تھا، اس طرح اپنے عارف اور خدا رسیدہ باپ کی ایک پیشین گوئی پوری کر رہا تھا،

لکھنؤ تاریخی تحقیقات کا معاملہ بھی عجیب ہوتا ہے، کسی تاریخی مقام یا لفظ کی تحقیق میں برسوں صرف کر دینے والے مورخ کے نتیجے کو، بارہا ایسا ہوا کہ کسی نئی شہادت کی اچانک دستیابی نے باطل ٹھہرا دیا، "لکھنؤ" کا معاملہ بھی کچھ اسی قسم کا ہے،

اس سوال پر ہمیشہ غور و خوض ہوتا رہا ہے کہ "لکھنؤ" کا مطلب اور اسکی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ اور اصل میں یہ لفظ کیا تھا اور کس لسانی ارتقاء سے گزر کر یہاں تک پہنچا؟ اور موجودہ لفظ "لکھنؤ" تاریخ کی کتابوں میں سب سے پہلے کب آیا ہے؟

علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے اپنی تصنیف "حیات شبلی" میں لکھا ہے:

"تاریخوں میں سب سے پہلے اسکا نام میری تلاش میں تیمور کے حملے کے بعد ۸۰۳ھ مطابق ۱۴۰۰ء میں ملتا ہے، تیمور کی واپسی کے بعد جب ملک میں طوائف الملوکی کا دور ہوا اور ظفر خاں نے گجرات میں، خواجہ جہاں کے بیٹے مبارک شاہ نے قنوج، اودھ، کڑہ اور جونپور میں اور خضر خاں نے لاہور، دیپالپور و ملتان میں اپنی اپنی حکومتیں قائم کیں تو ملو اقبال خاں نے دوآبہ میں اپنی ریاست جمانی چاہی، مبارک شاہ نے پورب میں اسکے پاؤں جمنے نہ دیے، اس سلسلے میں لکھنؤ کا نام پہلی دفعہ سننے میں آتا ہے، فرشتہ میں ہے "ملو اقبال خاں بہ قنوج رفتہ خواست کہ بہ جونپور در لکھنؤ در آید۔" (ص ۱۴)

تاریخ فرشتہ متاخر تصنیف ہے، اس میں "لکھنؤ" کا نام درج ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نویں صدی ہجری کے آغاز میں یعنی تیمور کے حملے کے بعد پھیلی ہوئی طوائف الملوکی کے زمانے میں بھی لکھنؤ کو لکھنؤ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ فرشتہ کے بیان سے اسی قدر اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اسکے زمانے میں جو بہت بعد کا ہے، لکھنؤ کے نام سے اس بستی کو یاد کرنے لگے تھے،

محض اتفاق سے ایک سراغ ایسا مل گیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ لکھنؤ کا نام تاریخ میں آٹھویں صدی ہجری کے اول نصف میں آچکا تھا، یعنی ملو اقبال خاں کی سرگرمیوں سے بھی تقریباً سو سال قبل۔

کتاب "رحلۃ ابن بطوطہ" (عربی مطبوعہ) کے مطالعے کے دوران میں دوسری جلد کے ٹائٹل پر بائیں گوشے کے اوپر قلم سے "ذکر لکھنؤ ص ۶۴" لکھا ہوا ملا، یہ کتاب مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کی خرید کردہ تھی اور ان کے مطالعے میں رہ چکی تھی، یہ ان ہی کی تحریر تھی، جس نے بتایا کہ لکھنؤ کا ذکر ابن بطوطہ کے سفرنامے (عربی مطبوعہ) کے صفحہ ۶۴ پر آیا ہے، ابن بطوطہ سلطان محمد بن تغلق کے عہد میں ۷۳۴ھ (۱۳۳۳ء) میں ہندوستان آیا تھا، اور اس ملک کے طول و عرض میں دس سال کے قریب اس نے سلطان محمد بن تغلق کے قرب میں بسر کیے، سلطان کے ایک گورنر عین الملک کی بغاوت کے سلسلے میں ابن بطوطہ نے لکھا ہے:

"واميرها عين الملك بن ماهر ومنها مدينة عوض ومدينة ظفر آباد ومدينة اللكهنو وغيرها۔" (ص ۶۴ مطبوعہ قاہرہ ۱۲۸۷ھ)

ابن بطوطہ کے سفرنامے کی پوری عبارت کا اردو میں مفہوم یہ ہے:-

"جب ملک میں قحط پھیل گیا تو بادشاہ (سلطان محمد تغلق) دریائے گنگا کے کنارے جس کو ہندو متبرک خیال کرتے ہیں، اور ہر سال حج کے طور پر وہاں جاتے ہیں، چلا گیا یہ دلی سے دس منزل پر تھا...... میں بھی بادشاہ کے کیمپ میں ان ہی دنوں پہنچا تھا، دریائے گنگا کے مغرب میں جو شہر تھے اور جہاں سلطان مقیم تھا، سخت قحط زدہ تھے، اور مشرق میں جو شہر تھے، ان میں ارزانی تھی اس علاقہ کا حاکم امیر عین الملک بن ماہر تھا، اسی علاقے میں اودھ کا شہر ظفرآباد کا شہر اور لکھنؤ کا شہر ہے۔"

دوسری تاریخوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قحط محمد بن تغلق کے دولت آباد سے ۷۴۴ھ میں واپسی کے زمانے میں شمالی ہندوستان میں پڑا تھا، مگر پورب کا علاقہ اس مصیبت سے محفوظ تھا، اس لیے سلطان نے اجازت دیدی تھی کہ جس کا جی چاہے پورب کے علاقے میں جاکر مصیبت کے یہ دن کاٹے، اور خود سلطان دہلی اپنے لشکر کے ساتھ شمس آباد (ضلع فرخ آباد) کے قریب ایک مقام سرگ دواری چلا گیا (تاریخ بدایونی)

مشہور ہے کہ لکھنؤ، رام چندر جی کے بھائی لچھمن کی جاگیر تھا، اور اس خطہ کا نام پہلے "لچھمن پورہ" یا "لچھمن پوری" تھا، مگر یہ ماقبل تاریخ کی باتیں ہیں، پھر بھی ایک روایت ملتی ہے جس سے لکھنؤ کے لچھمن جی سے تعلق کی بات بے اصل نہیں رہی،

یہ روایت "کرامات رزاقیہ" کی ہے، جو حضرت سید شاہ عبدالرزاق بانسوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۱۳۶ھ/۱۷۲۴ء) کے ملفوظ اور کرامات پر مشتمل ہے، کتاب کے مصنف محمد خاں صاحب رزاقی شاہجہانپوریؒ نے صاحب ملفوظ کے بڑے بیٹے کے صاحبزادے شاہ غلام علی رزاقی (متوفی ۱۲۲۲ھ/۱۸۰۷ء) سے انھوں نے اپنے والد ماجد حضرت شاہ غلام دوست محمدؒ (متوفی ۱۱۹۱ھ/۱۷۷۷ء) سے انھوں نے اپنے والد ماجد حضرت سید شاہ عبدالرزاق بانسوی رحمۃ اللہ علیہ سے سن کر بعینہ ان ہی الفاظ میں جو حضرت سید بانسویؒ کی زبان مبارک سے ادا ہوئے، ملفوظ کو مرتب کیا ہے، اسی لیے کتاب "کرامات رزاقیہ" اگرچہ ڈیڑھ پونے دو سو برس قدیم تصنیف ہے، لیکن اس کی زبان ڈھائی تین سو برس پرانی ہے، کیونکہ مصنف نے "بے کم و کاست" ان ہی الفاظ کے قلم بند کرنے کا التزام رکھا تھا، جو حضرت سید صاحب بانسویؒ کی زبان فیض ترجمان سے ادا ہوئے تھے، اور بعینہ نقل ہوئے تھے، بہرحال کتاب "کرامات رزاقیہ" میں شاہ غلام علیؒ کی زبانی نقل ہے:-

ایک دفعہ حضرت (سید صاحب بانسویؒ) وطن میں تھے، ایک روز اپنے مکان کو تشریف لے چلے، وہاں دو راہیں تھیں، ایک آبادی کی، ایک جنگل کی، کہیں یہ (سید صاحب بانسوی رح) تشریف لے جانے میں آبادی کی راہ چھوڑ کر جنگل کی راہ چلے گئے، اس جنگل میں ایک تالاب دیکھا، اترے، وضو کیا، تو (پھر) ایک شخص آیا، حضرت سے پوچھا "کہاں رہتے ہو" حضرت نے فرمایا "لکھنؤ شہر میں" ان نے (اس شخص نے) کہا کہ "ہمارا لچھنو!" تو (تو) فرمایا کہ "ہمارا تمہارا تو میں نہیں جانتا ہوں، ایک شہر ہندوستان میں ہے، وہاں رہتا ہوں"۔ تو (تو) اُن (اس شخص نے) کہا کہ آج یہاں سے

ہمارے تم مہمان ہو" یہ کہہ کے وہ شخص چلا گیا، ریچھ اور باگھ (شیر) آکر بیٹھے، ان کے (حضرت سید صاحب
کے) جی میں خطرہ آیا۔ بعد ایک لمحے کے دو شخص آئے حلوا لے کے، یہ بات کہی کہ "اس کو کھاؤ"
اور حلوہ سو ہمیں بھوک اس قدر تھا کہ آپ نے کھایا اور گھوڑے کو کھلایا اور کہا کہ "یہ ریچھ اور یہ باگھ
جو بیٹھے ہیں سو تمہاری چوکی کے واسطے بیٹھے ہیں، تم اپنے جی میں خطرہ نہ کرو اور رام لچھمن سنتے ہو گے
تو ہمیں ہیں صبح کو راہ بتا دیں گے"۔ ...... صبح کو حضرت (سید صاحب بانسوی) نماز پڑھ کے سوار
ہوئے، راستے میں دو لڑکے پانچ چار بھینسیں اور پانچ چار گائیں چراتے تھے تو (تو) اُن (انھوں نے)
کہا "یہ جنگل کی راہ ہے یہ آبادی کی" ایک کوس چلے تب یہ بات یاد آئی کہ رات کو انھوں نے راہ
بتانے کو کہی تھی تو (تو) حضرت (سید صاحب بانسوی) پھر آئے اسی جگہ پر کہ جہاں لڑکے اور بھینسیں
تھیں، وہاں دیکھا تو کوئی نہیں ہے، نہ لڑکے ہیں نہ گائے نہ بھینسیں ہیں، پھر آبادی کی راہ تشریف
لے گئے۔ (طبع دوم ص ۱۸)

بے شک اس واقعہ کو تاریخ کا درجہ نہیں دیا جا سکتا، اور یہ صحیح ہے کہ اس کی حیثیت مکاشفے
کی ہے جس کا تعلق عالم اجساد سے نہیں ہے عالم امثال سے ہے، پھر بھی لکھنؤ کے موجودہ لفظ کے
ایک ابتدائی مرحلے پر ضمنی روشنی ضرور پڑتی ہے اور "لچھمنو" سے لکھنؤ ہونے کے قیاس کو فی الجملہ
مدد پہنچتی ہے۔

بہر حال لکھنؤ کی تاریخ کچھ رہی ہو، ملا قطب الدین سہالوی کا لٹا ہوا کنبہ اسی لکھنؤ کی طرف
نقل سکونت کر رہا ہے، اس طرح ملا قطب کی ایک پیشین گوئی بھی پوری ہو رہی تھی جو اپنے اسی
سنجھلے بیٹے کے سلسلے میں جو لٹے ہوئے کنبے میں چودہ سالہ یتیم کی حیثیت سے شامل تھا، انھوں نے
کی تھی،

اس سنجھلے بیٹے کے بارے میں روایت ہے کہ:

ودر سن صغر سالگی بغایت بیمار شدند بحدیکہ	بچپن میں انتہائی شدید بیمار ہوئے کہ لوگوں کو امید
مردان امید از زیست وے برداشتند	زیست باقی نہ رہی، گھر کی عورتوں اور مردوں نے
وزنان ومردان خانہ گریہ آغاز کردند	رونا دھونا شروع کر دیا، ان کی گریہ وزاری جب
آواز گریہ وزاری چوں بسمع مولانا رسید	ملا قطب شہید کی سماعت میں آئی تو مکان کے اندر
بخانہ تشریف آوردند وتفحص حال فرزند ارجمند	تشریف لائے اور فرزند ارجمند کے مزاج کا حال پوچھا، مرض
خود ساختند بدریافت شدت مرض و	کی شدت اور حالت کے بگڑنے کو دیکھا اور گھر والوں
رداءۃ حال وملاحظہ اضطراب اختلال	کی گھبراہٹ اور بدحواسی ملاحظہ فرمائی تو قلب مبارک
مردمان ملائے بخاطر مبارک راہ یافتہ اند کے	پر اثر ہوا، تھوڑی دیر سر جھکائے رہے، پھر سر اٹھا کر
سر بجیب تفکر نہادند بعد ازاں بوالدۂ خود	اپنی والدہ ماجدہ سے فرمایا، گھبرانے کی کوئی بات
گفتند کہ ہیچ جائے وسواس نیست انشاء	نہیں ہے، انشاء اللہ تعالیٰ اس بیماری سے یہ اچھا
اللہ تعالیٰ ازیں مرض صحت خواہد یافت	ہو جائے گا اور لکھنؤ میں مستقل سکونت اختیار
وبہ لکھنؤ استقامت خواہد دارند	کرے گا۔

(عمدۃ الوسائل قلمی)

پھر یہ "شدید بیمار بیٹا" صحت یاب بھی ہوا، اپنے والد ماجد سے پڑھا بھی اور جب والد ماجد
کی شہادت واقع ہوئی تو ان کا یہ فرزند جو اب چودہ سالہ یتیم تھا، اپنے باپ کی لاش کے ساتھ دشمنوں
کے قبضے میں کئی روز سہالی سے دور رہا، قرب وجوار کے شرفا جو سہالی سے تین تین چار چار میل پر واقع
فتح پور اور دیوا کے زمیندار تھے، خوشامد درآمد کر کے اس چودہ سالہ ستم زدہ کو پنجۂ اشقیا سے چھڑا کر
لائے، چودہ سال شعور کی عمر ہوتی ہے، اس چودہ سالہ یتیم کے یہ چار پانچ دن کیسے گزرے ہوں گے،
کہ ایک طرف مقتول عالی مرتبت باپ کے بے گور وکفن لاشے کے ساتھ کشاں کشاں ادھر سے ادھر

لے جایا جا رہا ہے، دوسری طرف اپنی آنکھوں سے گھر بار کو لٹتا، پھنکتا، حقیقی بھائی کو زخمی اور ماں، دادی، بھاوج جس کے تصور سے روح لرزنے لگتی ہے، صبر دینے والا بھی ایسے سانحات پر توفیق صبر نہ دے تو دنیا کی بڑی آبادی غموں ہی سے ہلاک ہو جائے،

قضا و قدر کے فیصلے بھی بظاہر عجیب ہوتے ہیں، کوئی سوچ بھی سکتا تھا کہ دو بڑے بھائی جن کی رسائی شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے دربار تک تھی، جن کی تعلیم والد ماجد کے ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی تھی، جو بال بچوں والے ہو کر باپ کے معاملات میں رفیق اور سہیم کی حیثیت کے مالک تھے، وہ تو بادشاہ تک رسائی حاصل کرکے تاریخ میں ایسے گمنام ہو جائیں، اور یہ چودہ سالہ یتیم جو ہر طرح بے دست و پا ہو، اس طرح باپ کا جانشین اور ان کے نام کو روشن کرنے والا ثابت ہو کہ باپ ہی کا نہیں، بھائیوں کا، ان کی اولاد کا اور پورے کنبے کا نام تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ کے لیے ثبت کر جائے، اور وہ نہ صرف اپنے کنبے کا نام اونچا کرے بلکہ علمی دنیا کو ایسی راہ دکھا جائے کہ تین سو سال گزر جانے اور علمی دنیا میں سینکڑوں انقلابات آنے کے باوجود، بار بار نہیں تو گاہ گاہ علم کے طلبگاروں کی نگاہیں اس راہ کو تکتی نظر آئیں۔

ملا قطب شہید کا یہی چودہ سالہ یتیم ہے جسے آج دنیا بانی درس نظامی، استاذ الہند ملا نظام الدین محمد فرنگی محلی کے نام کے ساتھ عقیدت و احترام سے یاد کرتی ہے۔

سائنس اور اسلام

از جناب محمد شہاب الدین صاحب ندوی بنگلوری

نوٹ:- یہ مقالہ ۳۱ مئی ۱۹۷۰ء میں دی اسلامک سوسائٹی آف انڈیا مدراس کی جانب سے منعقدہ سمینار میں "اسلام موجودہ سائنس کی ترقی کی روشنی میں" کے عنوان سے پڑھا گیا۔

مضطرب باغ کے ہر غنچہ میں ہے بوئے نیاز　　تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز

اسلام کی آفاقیت

اسلام دوسرے مذاہب کی طرح کوئی مردہ مذہب نہیں اور یہودیت وعیسائیت کی طرح کوئی موقت اور عارضی دین نہیں بلکہ قیامت تک باقی و برقرار رہنے والا ایک زندہ اور لازوال مذہب ہے۔ اسلام کے سوا دنیا کے کسی بھی مذہب نے نفیاً یا اثباتاً اس کا دعویٰ نہیں کیا کہ اس کا پیغام پوری نوع انسانی کی ہدایت و رہنمائی کے لیے کافی و شافی، جامع و مکمل، عالمگیر و آفاقی، اور دائمی و ابدی ہے۔ اسلام صاف اور کھلے ہوئے الفاظ میں یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ اس پوری کائنات میں وہی ایک سچا، برحق اور ہمیشہ باقی رہنے والا مذہب ہے، جو دلیل و حجت کے ذریعہ نہ صرف تمام ادیانِ عالم پر غالب رہے گا بلکہ قیامت تک ہر زمانے کی عقلیت اور اس کے علمی تصورات و نظریات پر بھی بھاری رہے گا، خواہ وہ سائنس ہو یا فلسفہ، حکمت و دانش ہو یا کسی قسم کا خود ساختہ "ازم" (ism)۔

اسلام کے دعوے

آگے بڑھنے سے پہلے اسلام کے بارے میں چند بنیادی تصورات کو سمجھ لیا جائے۔

جو اس نے اپنے بارے میں کیے ہیں:۔

۱۔ وہ اپنے آپ کو پوری نوع انسانی کا ہادی و رہبر قرار دیتا ہے:

هدًى للناس وبيّنٰت من الهدٰى	(یہ قرآن) نوع انسانی کے لیے ہدایت نامہ ہے
والفرقان	اور (اس میں) ہدایت اور حق و باطل میں تمیز کے
(بقرہ: ۱۸۵)	دلائل موجود ہیں،

دوسری جگہ ہے:

ان هو الا ذكر للعٰلمين (ص - ۸۷)	یہ تو سارے جہان کے لیے ایک درس ہے

۲۔ وہ ایک مکمل دین و مذہب ہے:۔

اليوم اكملتُ لكم دينكم و اتممت	آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا
عليكم نعمتي و رضيت لكم الاسلام	اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے
دينًا (مائدہ: ۳)	اسلام کو بحیثیت ایک دین کے پسند کیا۔

۳۔ اس کا سرکاری صحیفہ (قرآن) نوع انسانی کے لیے ایک جامع اور کافی و شافی صحیفہ ہے:

اولم يكفهم انا انزلنا عليك الكتٰب	کیا ان لوگوں کے لیے یہ بات کافی نہیں ہے کہ ہم نے
يتلٰى عليهم ان في ذٰلك لرحمة	تم پر ایسی کتاب اتار دی ہے جو انہیں پڑھ کر
و ذكرٰى لقوم يؤمنون	سنائی جاتی ہے، یقیناً اس میں ایمان لانے والوں
(عنکبوت: ۵۱)	کے لیے رحمت و بصیرت موجود ہے۔

۴۔ صرف وہی دائمی مذہب ہے، اس کے علاوہ دوسرے تمام ادیان اپنے اپنے زمانے کے لیے تھے، جن کی ضرورت اسلام کے بعد باقی نہیں رہی:

ومن يبتغ غير الاسلام دينًا	اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین چاہے گا

فلن يقبل منه وهو في الاٰخرة	تو وہ غیر مقبول ہوگا اور وہ آخرت میں
من الخٰسرين (آل عمران - ۸۵)	ناکام رہے گا۔

۵۔ دلیل و حجت کے ذریعہ تمام ادیان پر غالب رہے گا اور کوئی مذہب علمی و عقلی حیثیت سے اس کا مقابلہ نہ کر سکے گا:

هو الذي ارسل رسوله بالهدٰى	وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق
و دين الحق ليظهره على الدين كله	دے کر بھیجا تاکہ وہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے
ولو كره المشركون (صف - ۹)	اگرچہ مشرکین اس کو ناپسند ہی کیوں نہ کریں

اسلام کی خود کفیلی

یہ اسلام کے وہ بنیادی تصورات ہیں جن کا دعویٰ دنیا میں اسلام کے سوا آج تک کسی مذہب نے نہیں کیا، اس کی ساری تعلیمات ان ہی بنیادوں پر مبنی ہیں، یہ تعلیمات خواہ عقائد سے متعلق ہوں یا عبادات سے، تہذیب نفس سے تعلق رکھتی ہوں یا معاشرت و سیاست سے، وسیع آفاقی بنیادوں پر استوار کی گئی ہیں، جو اس کے عالمگیر اور بین الاقوامی مذہب ہونے کی دلیل ناطق ہے۔

اسلام ہر لحاظ سے ایک مکمل اور خود کفیل (Self - sufficient) مذہب ہے وہ اپنی کسی چیز میں کسی دوسرے نظام کا محتاج نہیں، جس پر مسلمانوں کا ۱۳ سو سالہ دور حکومت شاہد ہے، چنانچہ ان کو اپنے کسی معاشرتی، ملکی، سیاسی اور تمدنی معاملہ میں دوسری اقوام سے قوانین مستعار لینے کی ضرورت پیش نہیں آئی، جس طرح عیسائیوں کو اپنے دور حکومت میں، اپنے مذہب کی تنگ دامانی کی بنا پر رومیوں کے قوانین (Roman law) سے استفادہ کرنا پڑا، اس سے ایک امی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لائے ہوئے دین متین کے حیرت انگیز اعجاز کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اسلام کا انقلابی نظریہ

اسلام کا بنیادی مقصد روح کا تزکیہ وتطہیر، انسانی افکار وتصورات کی تہذیب، غلط نظریات ومفروضات کی تنقیح، خدا اور بندے کے درمیان صحیح تعلق کی استواری، حقوق العباد کا تحفظ، اخلاقی خصائل کا احیاء، جبر واستبداد کا استیصال، کائنات میں پھیلی ہوئی گمراہیوں کا خاتمہ، عالمگیر اور بین الاقوامی امن وامان، ایک صالح، پاکیزہ اور مثالی معاشرۂ انسانی (Human society) کا قیام تھا، جس میں تمام افراد انسانی کے یکساں حقوق وفرائض ہوں۔ اور ادنیٰ واعلیٰ کا فرق مٹ جائے اور سب کے سب صحیح معنی میں خدا کے بندے بنکر ایک دوسرے کے دوش بدوش مصروف عمل ہو جائیں۔

مگر یہ ہمہ گیر معاشرتی وتہذیبی انقلاب اس وقت تک برپا نہیں ہو سکتا تھا جب تک فکری ونظریاتی انقلاب برپا نہ کیا جائے، اس کے لیے اس نے عالم انسانی کی ذہنی دھلائی (Brain washing) کی اور اس کے دل ودماغ میں چند بنیادی تصورات واعتقادات کو راسخ کرکے خود ساختہ تخیلات ومفروضات کی تاریکی سے باہر نکالا اور اس کے دل ودماغ میں خدا کی ہستی کا صحیح تصور قائم کیا، اس کے یہ بنیادی عقائد حسب ذیل ہیں:-

اسلام کے بنیادی عقائد

(۱) انسان اس دنیا میں ایک آزاد وبے مہار ہستی یا ڈارون (Darwin) کے نظریۂ ارتقاء (Evolution) کے مطابق کوئی "بڑھیا جانور" نہیں ہے، کہ جو جیسے آئے کر ڈالے، بلکہ ایک ذمہ دار اور جوابدہ ہستی ہے، قرآن نے اس ذمہ داری اور جوابدہی کی تعبیر "خلافت" کے لفظ سے کی ہے:

ھو الذی جعلکم خلائف فی الارض	وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا
فمن کفر فعلیہ کفرہ	پس (اب) جو کوئی (اس خلافت سے) انکار کریگا تو اسکے انکار کا وبال اسی پر ہوگا۔
(فاطر - ۳۹)	

(۲) یہ کائنات خود بخود وجود میں نہیں آگئی، بلکہ ایک زبردست قدرت والی علیم وخبیر ہستی نے ایک اسکیم اور منصوبہ بندی کے تحت اس کی تخلیق کی ہے۔

خلق اللہ السمٰوٰت والارض بالحق	اللہ نے زمین اور آسمانوں کو حکمت کے ساتھ
ان فی ذلک لآیۃ للمؤمنین	پیدا کیا ہے، یقیناً اس میں اہل ایمان
(عنکبوت - ۴۴)	کے لیے ایک نشانی ہے۔

(۳) یہی خلاق ہستی اس کائنات کی ناظم، مدبر، مالک اور حاکم ہے اور تمام مظاہر فطرت اس کے قبضہ وتصرف میں ہیں، اسی کو مذہب کی اصطلاح میں خدا کہتے ہیں، قرآن مجید میں اس ناظم ومدبر ہستی کو رب کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، جس کا ناقص مفہوم اردو زبان میں مربّی اور انگریزی میں Lord کے لفظ سے ادا ہو سکتا ہے۔

(۴) اس نے یہ پورا کارخانۂ عالم کامل نظم وضبط اور حکمت ومصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے جو ایک دن اجڑ جائیگا، اور تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کرکے ان کے اعمال کا محاسبہ کیا جائیگا، اور ہر ایک کو اس کے اچھے برے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا، اسلامی اصطلاح میں اس عظیم دن کو قیامت کہتے ہیں۔

(۵) چونکہ انسان کو اس دنیا میں مکلف اور ذمہ دار (Responsible) قرار دیا گیا ہے، اس لیے اس کی ہدایت ورہبری کے لیے نبوت ورسالت کا سلسلہ جاری کیا گیا، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے احکام ومرضیات اس کے بندوں تک پہنچائے جائیں۔

(۶) اسلام ـــــ بلکہ بنیادی طور پر تمام انبیائے کرام کی دعوت کا خلاصہ یہ ہے کہ اس وسیع وعریض کائنات میں صرف ایک ہی رب (مربّی یا Lord) ہے جو ساری مخلوقات کی ضروریات کا کفیل اور ان کے اعمال وافعال کا نگراں ہے، اس کے سوا کوئی دوسری ہستی

اس کی ربوبیت میں شریک وسہیم نہیں، اس لیے اسلام کا یہ مطالبہ بالکل فطری اور منطقی ہے کہ جب سارے جہاں کا رب ایک ہے تو سارے جہان کا الہ (معبود و مسجود) بھی ایک ہی ہونا چاہیے، جب ربوبیت میں کوئی اس کا شریک و ساجھی نہیں ہے تو پھر الوہیت میں بھی اس کا کوئی حصہ دار نہ ہونا چاہیے، قرآن کی ساری تعلیمات کی بنیادی روح یہی ہے،

اسلام کے ان بنیادی تصورات کو مختصر طور پر توحید، رسالت اور معاد (یوم جزا) کے تصورات کہہ سکتے ہیں، یہ دین متین کے تین بنیادی ستون ہیں جن پر اسکی پوری عمارت تعمیر ہوئی ہے

اسلام کا کارنامہ

ان بنیادی اور اہم ترین عقائد کو تسلیم کیے بغیر نہ عالم انسانی کی اصلاح ہو سکتی ہے اور نہ اس میں کوئی ہمہ گیر انقلاب پیدا ہو سکتا ہے، اس لیے اسلام نے سب سے پہلے ان ہی عقائد کی تنقیح کی ہے، مگر وہ دوسرے مذاہب کی طرح اپنے عقائد کو جبر و تحکم سے نہیں منواتا بلکہ اس کی حکیمانہ تشریح کرتا اور ان کو علمی و عقلی اور آفاقی و نفسی دلائل و بینات کی روشنی میں سمجھاتا ہے اور کسی الجھن، تشکیک، فکری انتشار اور لاادریت (Agnosticism) کی گنجائش باقی نہیں چھوڑتا، اسلام کے یہ دلائل حد درجہ علمی، سائنٹفک اور ہر زمانے کی ذہنیت کے مطابق قطعی مسکت اور فیصلہ کن ہیں، جس کا کوئی ادنیٰ تصور بھی ہمیں موجودہ توراۃ (Old Testament) یا موجودہ انجیل (New Testament) میں نہیں ملتا، ان صحیفوں میں علمی و عقلی دلائل اور آفاقی و نفسی (Scientific) شواہد کا کوئی وجود ہی نہیں ہے، دلائل و شواہد تو بعد کی چیزیں ہیں ان میں بنیادی عقائد ہی کا کوئی جامع و واضح تصور نہیں ملتا، اس لیے یہ صحیفے آؤٹ آف ڈیٹ ہو چکے ہیں اور ان میں موجودہ حالات کے مقابلہ اور عصر حاضر کی ذہنیت کے مطابق انسان کی فکری و عملی اصلاح اور ہمہ گیر انقلاب برپا کرنے کی مطلق صلاحیت نہیں ہے،

ان کے مقابلہ میں اسلام ایک دائمی اور بین الاقوامی مذہب ہے، اس لیے اسکے صحیفے

میں قیامت تک ہر زمانے کی ذہنیت اور اس کی ضروریات کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے تاکہ وہ قیامت تک انسانوں کی رہنمائی کر سکے، اور خدا پرستی اور انسانیت کی اقدار (Human values) کا احیا، اور باطل و ظلم و عدوان کا ابطال کرتا رہے، اور پورا عالم انسانی ایک معاشرہ (Society) اور ایک خاندان بن جائے جس میں اولاد آدم امن و امان اور سکون و طمانیت کی زندگی بسر کر سکے،

کائنات اور اسلام

اس زندہ مذہب کی زندہ کتاب میں کائنات (Universe) کے حقائق (متعلقات سائنس) سے بھی تعرض کیا گیا ہے، دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام ہی وہ پہلا اور آخری مذہب اور آسمانی صحیفوں میں قرآن ہی وہ واحد صحیفہ ہے جو انسان کو کائنات اور اس کے نظام (System) میں غور و فکر کے ذریعہ عبرت و بصیرت حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہے، اور اپنے پیش کردہ عقائد و تعلیمات کی حقانیت کے اثبات کے لیے کائنات اور اس کے نظام کو بطور دلیل پیش کرتا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ پوری کائنات ایک عظیم حکمت و مصلحت اور کامل منصوبہ کے تحت پیدا کی گئی ہے، محض بخت و اتفاق کے طور پر (By chance) ظہور پذیر نہیں ہو گئی، اور آج سے چودہ سو سال پہلے اس منصوبہ بندی کے تمام بنیادی اصولوں کو قرآن مجید میں لکھا جا چکا ہے، جب ان نظریات و تصورات کا دنیا میں کوئی وجود نہیں تھا، اور آج بیسویں صدی میں یہ منصوبہ قرآن کی صداقت کو جانچنے کا نہایت آسان طریقہ ہے[1] اس لیے اس کی تفصیل پیش کیجاتی ہے،

---

[1] اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سائنس ہر چیز کی صحت و صداقت جانچنے کا معیار ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسلامی عقائد اس قدر فطری اور مطابق واقعہ ہیں کہ ان کی تصدیق قانون فطرت میں بھی موجود ہے، اور جیسے جیسے سائنسی تحقیقات آگے بڑھتی جائیں گی، عقائد اسلامی کی حقانیت بھی واضح ہوتی چلی جائے گی۔

کائنات اور دیگر مذاہب

اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ مسئلہ آتا ہے کہ اس خارجی دنیا اور اس وسیع و عریض کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ مختلف مذاہب اور دانشوروں نے اس سوال کے مختلف جوابات دیے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ یہ کائنات دیوتاؤں کی رزم آرائیوں کا نتیجہ ہے، کوئی کہتا ہے کہ دنیا میں خیر و شر کی الگ الگ حکومتیں قائم ہیں اور ہر طرف دوئی ہی دوئی ثنویت یا (Dualism) نظر آتی ہے، کسی کا خیال ہے کہ یہ کائنات محض بخت و اتفاق سے وجود میں آگئی ہے، اس کا کوئی خالق و ناظم نہ پہلے تھا، نہ اب ہے، کسی کا دعویٰ ہے کہ جدید سائنٹفک حقائق نے دین و مذہب کی چولیں ہلا دیں اور موجودہ دنیا میں خدا اور مذہب کی کوئی جگہ نہیں رہ گئی ہے۔

اس قسم کے لادینی نظریات زیادہ تر عیسائی علماء کی کوتاہ بینی کا نتیجہ ہیں، قرون وسطیٰ میں کلیسا (Church) والوں نے ارسطو اور بطلیموس وغیرہ یونانی حکماء کے بعض نظریات و مفروضات کو عیسائیت اور بائبل کے مسلّمہ عقائد (سرکاری معتقدات) قرار دیدیا، اور کائنات کے نئے انکشافات کا انکار اور تجربہ و مشاہدہ کی تکذیب کی جس سے ہر پڑھا لکھا شخص واقف ہے، اہل کلیسا کے اسی غلط روش کا ردعمل مادیت (Materialism) یا فطرت پرستی (Naturalism) کی شکل میں ظاہر ہوا جس کے سنگین نتائج سے آج پورا عالم انسانی دوچار ہے۔

سائنس اور قرآن

لیکن اسلام کے نزدیک یہ پوری کائنات ایک ہمہ گیر اسکیم اور منصوبہ بند نظام کا نتیجہ ہے، اور اس کے ذرہ ذرہ میں ارباب بصیرت کے لیے خدا کے وجود، اسکی وحدت و یکتائی قدرت و ربوبیت اور حکمت و مصلحت کے ناقابل انکار دلائل اور نشانیاں ہیں۔

ان فی خلق السموٰت والارض	زمین و آسمان کی تخلیق میں، دن رات
واختلاف اللیل والنهار	کے ہیر پھیر میں، ان کشتیوں میں جو لوگوں کے
والفلک التی تجری فی البحر	مفاد کی خاطر سمندر میں چلتی ہیں، اس پانی میں
بما ینفع الناس وما انزل اللہ	جس کو اللہ (سمندروں سے بخارات کی شکل
من السماء من ماء فاحیا به	میں نکال کر ایک خاص) بلندی سے برساتا
الارض بعد موتها وبث فیها	ہے، پھر اس پانی کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ
من کل دابة وتصریف الریاح	کردیتا ہے (جس کے باعث وہ لہلہاتے ہوئے
والسحاب المسخر بین السماء	سبزہ زاروں میں تبدیل ہوجاتی ہے) ان تمام
والارض لآیٰت لقوم یعقلون	جانداروں میں جن کو اس نے اس (دھرتی کے سینے
(بقرہ - ۱۶۴)	پر پھیلایا ہے، ہواؤں کے (نظام) اور بدلیوں
	اور اس بادل میں (جو بغیر کسی سہارے کے ایک خاص
	بلندی پر) زمین و آسمان کے درمیان ٹھہرا ہوا ہے
	(غرض ان تمام مظاہر فطرت میں) عقل و دانش
	والوں کے لیے (اللہ کی توحید اور اسکی قدرت و ربوبیت
	کے بے شمار) نشانات و دلائل موجود ہیں۔

اس قسم کی آیتیں قرآن حکیم میں بکثرت ہیں جن میں اسلوب بدل بدل کر انسان کو نظام کائنات میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام سائنسی تحقیقات کو دین و مذہب کے خلاف تصور نہیں کرتا، ورنہ اس قسم کی ہدایات کبھی نہ دیتا، اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ قرآن حکیم کی کل آیات ۶۶۱۶ ہیں جن میں احکام سے متعلق پانچ سو آیات ہیں، (الاتقان فی علوم القرآن)، اور نظام کائنات یا متعلقات سائنس پر ساڑھے سات سو آیات ہیں

(القرآن والعلوم العصریہ) امام الائمہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے قرآنی علوم کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے (۱) علم احکام (۲) علم مناظرہ (۳) علم آلاء اللہ (۴) علم ایام اللہ (۵) اور علم آخرت (الفوز الکبیر)۔ یہ ایک اصولی اور فلسفیانہ تقسیم ہے۔ ہم "علم آلاء اللہ" کو موجودہ زبان میں علم کائنات یا علم سائنس کہہ سکتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کے نزدیک علوم کائنات کی کتنی اہمیت ہے۔

سائنس اور مسلمان

یہ ان ہی آیات کا نتیجہ تھا کہ قرون وسطیٰ میں مسلمانوں نے کائنات کی چھان بین اور تحقیق و تفتیش کی طرف توجہ کی جس کی بدولت موجودہ سائنس کی بنیاد پڑی اور مسلمان سائنسدانوں نے جغرافیہ، ریاضی، فزکس، کیمسٹری، فلکیات (Astronomy) بیالوجی اور طب وغیرہ میں شاندار کارنامے انجام دیے اور دنیا کو نئے علوم و فنون سے آشنا کیا۔ اس دور کے مشہور سائنسدانوں میں جابر بن حیان، محمد بن موسیٰ خوارزمی، ابو نصر فارابی، محمد بن زکریا رازی، ابن ہیثم، بو علی سینا، ابو ریحان البیرونی، ابن نفیس اور ابوالقاسم الزہراوی وغیرہ قابل ذکر ہیں، جن کی بلند پایہ تحقیقات اور شہرۂ آفاق تصنیفات پر جدید سائنس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

بہر حال قرون وسطیٰ میں جب نئے نئے علوم و فنون کی اشاعت ہوئی تو اس سے نئے نئے علمی مسائل اٹھ کھڑے ہوئے جنھیں سلجھانے اور علمی دنیا کی رہنمائی کرنے کے لیے علما کا ایک طبقہ میدان میں آیا۔ ان میں سب سے مشہور امام غزالی، امام رازی، اور امام ابن تیمیہ وغیرہ ہیں۔ ان علماء اور متکلمین نے اپنے دور کے "علوم جدیدہ" میں غور و خوض کرکے اپنے دور کی ذہنیت کے مطابق علمی و سائنٹفک دلائل کی تدوین کی جن کو قرآن کی اصطلاح کے مطابق "آیات اللہ" (خدائی نشانات و دلائل) کہا جا سکتا ہے۔ اس کی ایک واضح اور شاندار مثال تفسیر کبیر ہے۔

اس طرح مسلمانوں میں شروع ہی سے دو گروہ رہے ہیں: ایک کائنات اور علوم کائنات کی چھان بین میں لگا رہا اور دوسرا "آیات اللہ" کی تحقیق و تفتیش میں۔ اس بارہ میں مسلمانوں کا نکتہ نظر ہمیشہ صاف، سیدھا اور متوازن رہا، اور فلاسفہ کے برعکس کسی مسلمان فرقے نے سائنس یا علوم کائنات کو کبھی مذہب کے خلاف نہیں سمجھا، بلکہ اس دور میں سائنس ہمیشہ مذہب کی تابع رہی اور ایک دوسرے کے تعارض و تضاد کا کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو سکا، جو اسلام کی صحیح رہنمائی کا نتیجہ تھا۔

مادیت اور اسلام

مگر یہ دنیا کی بہت بڑی بدقسمتی تھی کہ جب علم و فن کی باگ مسلم حکومتوں کے زوال کے ساتھ مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھن گئی، اور پندرہویں صدی کے بعد علم و دانش کی شمع مغربی ممالک میں روشن ہوئی تو اہل کلیسا کی نا اہلی کی بنا پر سائنس اور مذہب میں ٹکراؤ پیدا ہو گیا۔ اگرچہ یہ ٹکراؤ مصنوعی اور غیر حقیقی ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ ان ہی غلط نظریات و تخیلات نے آج ایک عالمگیر تصادم کی شکل اختیار کر لی، اور آج دنیا میں اسلام کے سوا کوئی دوسرا مذہب نہیں ہے، جو ان غلط نظریات و اوہام کی تردید کرکے علمی و عقلی اور سائنٹفک انداز میں مادیت و نیچریت اور الحاد و دہریت کا مقابلہ کر سکے۔

خود ساختہ عقائد کی مذمت

جیسا کہ اوپر گزر چکا، اسلام پوری کائنات کو اپنے دعووں کی دلیل اور اپنے عقائد و تعلیمات کے ثبوت میں پیش کرتا ہے، اس سے اس کے دعووں کی صحت و صداقت عین الیقین اور حق الیقین کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے، اس لیے وہ علوم کائنات کی ترقی کا اولین داعی اور نقیب ہے۔ اور ان لوگوں کو جو صحیح عقل و فکر سے کام نہیں لیتے اور آنکھیں بند کرکے پرانی روایات و رسوم پر عمل کرتے ہیں چوپایوں سے تشبیہ دیتا ہے۔

اولم ینظروا فی ملکوت السمٰوٰت   کیا انھوں نے زمین و آسمانوں کی بادشاہت

والارض وماخلق اللہ من شیء	اور مخلوقات الٰہی کو بغور نہیں دیکھا، بہت ممکن
وعسیٰ ان یکون قد اقترب	ہے کہ (ان کی اس بے حسی و بے بصری کی بنا پر)
اجلھم فبای حدیث بعدہٗ	ان کا وقت قریب آگیا ہو تو اب اس (واضح
یومنون	اور سائنٹفک طریقے کے بعد) آخر وہ کس چیز پر
(اعراف - ۱۸۵)	(اور کس طرح) ایمان لائیں گے۔
ولقد ذرأنا لجھنم کثیراً من	اور ہم نے جہنم کو بھرنے کے لیے بہت سے ایسے جن
الجن والانس لھم قلوب لایفقھون	اور انسانوں کو پیدا کیا ہے جو دل رکھنے کے باوجود
بھا ولھم اعین لایبصرون بھا	سمجھتے نہیں، آنکھیں ہونے کے باوجود دیکھتے نہیں اور
ولھم آذان لایسمعون بھا اولٰئک	کان ہونے کے باوجود سنتے نہیں، یہ لوگ چوپائے
کالانعام بل ھم اضل (اعراف: ۱۷۹)	جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے۔

وجود باری ان وضاحتوں کے بعد اسلام کے بعض بنیادی عقائد و تصورات پر جدید سائنس کی روشنی میں نظر ڈالی جاتی ہے، سب سے پہلے اثبات باری تعالیٰ کے مسئلہ کو لیجئے، قرآن کہتا ہے:

ومن آیٰتہ خلق السمٰوٰت والارض	اور اس کی نشانات (وجود و قدرت) میں سے
وما بث فیھما من کل دابۃ	یہ بات کہ اس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور ان
(شوریٰ: ۲۹)	دونوں میں (ہر قسم کے) جاندار پھیلا دیے۔

اس آیت میں "دابۃ" (جاندار ہستی) کے وجود کو خدا کے وجود کی دلیل قرار دیا گیا ہے، جدید سائنس بھی طویل تحقیق و تجربہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی ہو کہ تمام حیوانات و نباتات کی تخلیق نخرمایہ (Protoplasm) سے ہوئی ہے، جن کے کیمیائی (Chemical) اجزاء آکسیجن، ہائیڈروجن، کاربن اور نائٹروجن وغیرہ بھی دریافت کر لیے گئے ہیں مگر

انتہائی کوشش کے باوجود پوری دنیا کے سائنس کو ان کیمیائی اجزاء وعناصر (Elements) کو باہم ملاکر پروٹوپلازم بنا لینے میں کامیابی نہ ہوسکی، وہ ان اجزاء وعناصر کو لاکھ طرح سے ملاتی ہے مگر پروٹوپلازم نہیں بنتا جو "زندگی" کی اکائی (Unit) یا بنیادی اینٹ ہے۔ ایک سائنسدان نے پورے پندرہ سال تک ان عناصر کو ہر ہر طرح ترکیب دینے کی کوشش کی، مگر اس میں "زندگی" کی کوئی رمق بھی نمودار نہ ہوئی، اس سے مادیت و دہریت کا یہ دعویٰ باطل ہو جاتا ہے کہ زندگی کا ظہور بغیر کسی خالق (Creator) کے خود بخود ہوگیا ہے، اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس عالم ہست و بود میں ایک با ارادہ و با اختیار ہستی کی کارفرمائی جاری و ساری ہے، جیسا کہ قرآن کہتا ہے

فعّال لما یرید	یعنی وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے

اس سے چارلس ڈارون (Darwin) اور اس کے ہمنواؤں کا نظریۂ ارتقاء (Evolution) بھی مردود قرار پاتا ہے، ظاہر ہے کہ جب بغیر کسی خالق و فاعل کے ایک خلوی (Unicellular) جاندار ہی کا وجود ممکن نہیں تو پھر پیچیدہ انواع (Multicellular Species) کا وجود بغیر کسی خالق کے کیونکر ممکن ہوسکتا ہے۔

اثبات قیامت یہ قرآن حکیم کے بے شمار آفاقی دلائل (وہ سائنٹفک شواہد جو اس کارخانۂ فطرت میں انسان کے چاروں طرف بکھرے ہوئے ہیں) میں سے صرف ایک دلیل ہے، اس سے قرآن کے علمی و سائنٹفک دلائل کی نوعیت و اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، اب کائنات کے اختتام یا اثبات قیامت پر بھی ایک سائنٹفک دلیل ملاحظہ ہو، قرآن کہتا ہے:

والشمس کورت واذا النجوم	جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور

انکدرت (تکویر ۱-۲) جب ستارے پراگندہ ہوجائیں گے۔

اس مقام پر سورج کو یوم جزا کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے، اور جدید سائنس قرآن عظیم کے اس دعوے کی صداقت پر بھی مہر تصدیق ثبت کرچکی ہے، چنانچہ سائنسدان طویل غور و خوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ سورج اور دوسرے ستاروں میں جو روشنی اور حرارت پائی جاتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ یہ تمام اجرام ہائیڈروجن گیس کے بنے ہوئے ہیں، سورج کے بطن میں تقریباً دو کروڑ ڈگری حرارت پائی جاتی ہے، اس زبردست حرارت و تپش میں ہائیڈروجن عمل فیوژن (ایک ایٹمی عمل) کے طور پر جل کر مسلسل ہیلیم گیس میں تبدیل ہوتی جارہی ہے، اور ایک دن ایسا ضرور آنے والا ہے جب اس کی ساری ہائیڈروجن ختم ہوجائے گی، اور وہ ایک مردہ و بیجان جسم کی طرح ایک طرف لڑھک جائے گا، اندازہ لگایا گیا ہے کہ صرف ایک سکنڈ میں سورج کے وزن میں دو ملین ٹن (فی یوم پونے دو کھرب ٹن) کی کمی واقع ہورہی ہے۔ اگرچہ سورج ہماری زمین سے بارہ لاکھ اسی ہزار گنا بڑا ہے، مگر ایک نہ ایک دن اس کا سارا ایٹمی ایندھن (fuel) اور توانائی (energy) ختم ہو لازمی ہے۔ اس کے لیے امریکی سائنسداں جارج گیمو کی کتاب "سورج کی پیدائش اور موت" (The birth and death of the son) وغیرہ ملاحظہ ہو۔

غرض سورج کا اختتام کائنات کے اختتام کا دیباچہ ہے، جس کو قرآن ان الفاظ میں بہت پہلے کہہ چکا ہے: اذا الشمس کورت و اذا النجوم انکدرت۔

اثبات رسالت | ان مثالوں سے پوری طرح ثابت ہوگیا کہ اس عالم رنگ و بو میں ایک علیم و خبیر ہستی کا وجود ہے، اور قرآن کسی انسان کا تراشیدہ کلام نہیں ہے، ورنہ وہ اسقدر

لازوال سچائیوں سے لبریز نہ ہوتا، مغربی علماء و فضلاء ظہور اسلام کے زمانے کو "تاریک دور" (Dark ages) سے تعبیر کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ اس تاریک دور میں سفیر وحی الٰہی کے اور بغیر ایک ہمہ دان و ہمہ بیں ہستی کی رہنمائی کے رسمی علوم سے ایک ناواقف اُمّی[1] (فداہ ابی و امی) نے اس قدر صحیح، یقینی اور بے خطا طور پر سائنٹفک حقائق اور اسرار کائنات کو ٹھیک ٹھیک نشاندہی کیسے اور کیونکر کردی؟ کیا اس قسم کی کوئی دوسری مثال پورے انسانی لٹریچر میں موجود ہے؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے رسول تھے، اور اسلام ایک سچا اور برحق مذہب ہے، جس کی صداقت روز بروز عیاں ہوتی جاتی ہے، جیسا کہ کلام مجید کا ارشاد ہے:

سنریهم آیتنا فی الآفاق وفی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق اولم یکف بربك انه علی کل شئ شهید
(حٰم سجدہ: ۵۳)

ہم ان (منکرین حق) کو اپنے نشانات و دلائل دکھادیں گے، ان کے چاروں طرف بھی اور خود ان کی ہستیوں میں بھی تاآنکہ ان پر پوری طرح واضح ہوجائے کہ یہ (کلام) برحق ہے، کیا یہ بات (ان کی تشفی کے لیے) ناکافی ہے کہ تیرا رب (اس عالم آب و خاک کی) ہر چیز سے آگاہ ہے

قرآن اور کائنات کی ہمنوائی | شروع میں عرض کیا گیا ہے کہ تمام اسلامی تعلیمات کا نچوڑ اور ان کا لب لباب توحید، رسالت اور یوم جزا کا عقیدہ ہے، اوپر کے مباحث سے یہ تینوں باتیں ثابت ہوگئیں اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ یہ کائنات منظم دمربوط طور پر تخلیق کی گئی ہے، اس کے طبعی (Physical) کیمیائی (Chemical) اور حیاتیاتی (Biological)

---

[1] آج رسالت محمدی کو ثابت کرنے کے لیے آپ کے امیت کو ثابت کرنے کی بھی ضرورت باقی نہیں رہی۔

اصول وضوابط میں کسی قسم کا انتشار اور بدنظمی نہیں ہے، جو یقیناً ایک عظیم ہستی کی کارفرمائی کا نتیجہ ہے، ان منظم ضوابط کی تعبیر قرآن میں "میزان" کے لفظ سے کی گئی ہے۔

الله الذی انزل الکتب بالحق	اللہ ہی نے کتاب اور میزان کو ٹھیک ٹھیک
والمیزان ومایدریک لعل	مطابقت کے ساتھ اتارا ہے اور تجھے کیا خبر کہ
الساعة قریب (شوریٰ : ۱۷)	وقت موعود (قیامت) قریب ہی ہو۔

یہاں میزان سے مراد یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز نپی تلی ہے، اور اس کے تمام قوانین منضبط ہیں، خواہ وہ مادی دنیا سے متعلق ہوں یا روحانی کائنات سے

فارجع البصر ھل تری من	(کائنات میں) دوبارہ نظر ڈال کر دیکھ لو
فطور (ملک)	کیا تمھیں کوئی بدنظمی نظر آرہی ہے؟

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کائنات کے تمام مظاہر ایک زبردست ہستی کے ماتحت اور کنٹرول میں جاری وساری ہیں، اور یہاں کوئی چیز بھی خواہ وہ کسی قسم کا مادہ (Matter) ہو یا توانائی (Energy) اس کی حکم عدولی نہیں کر سکتی

ولہ من فی السمٰوٰت والارض	اور زمین و آسمان میں جو کوئی (اور جو کچھ) بھی ہے
کل لہ قانتون (روم - ۲۶)	سب اسی کا ہے، ہر ایک اسکی بارگاہ میں جھکے ہوئے ہیں

ایک شاعر نے بہت خوب کہا ہے ؎

للہ فی کل تحریکة	وفی کل تسکینة لہ شاہد
وفی کل شیٔ لہ آیة	تدل علی انہ واحد

یعنی دنیا کی ہر چیز اور اس کا ہر ایک سکون و حرکت خدا کے وجود اور اسکی وحدانیت پر شاہد ہے۔

اسلام کا مطالبہ

اس لیے اسلام کا مطالبہ ساری نوع انسانی سے یہ ہے کہ جب ساری کائنات اور اس کے کل مظاہر خدائے قادر وتوانا کے آگے جھکے ہوئے اور تکوینی (Natural) حیثیت سے اسی کی اطاعت و بندگی میں لگے ہوئے ہیں تو پھر انسان بھی — جو تکوینی حیثیت سے پہلے ہی سے اس کا مسخر ہے — تشریعی (Moral) حیثیت سے بھی اسی برتر و عظیم ہستی کی اطاعت کو مان کر حیاتِ جاودانی کا مستحق بنجائے، اس سے کائنات میں یکسانی و یکرنگی پیدا ہوجائیگی اور دونوں کا نغمہ و ساز ایک ہوجائے گا،

افغیر دین اللہ یبغون ولہ	کیا یہ منکرین دین الٰہی کے سوا کسی دوسرے دین
اسلم من فی السمٰوٰت والارض	کی تلاش میں ہیں؟ حالانکہ زمین و آسمان میں جو کوئی
طوعاً وکرھاً والیہ یرجعون :	بھی ہے سب خوشی یا ناخوشی اسی کا مطیع و فرمانبردار
(آل عمران - ۸۳)	ہے، اور سب اسی کے پاس لوٹ کر جارہے ہیں۔

اس آیت میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ جب اس کائنات کی ہر چیز "مسلم" (مطیع و فرمانبردار) ہے تو پھر انسان کو بھی اسی کا مطیع و فرمانبردار بن جانا چاہیے،

نظام ربوبیت

یہاں پر یہ نکتہ بھی ملحوظ رہے کہ کائنات کا یہ نظم و ضبط اور اس کے ہمہ گیر اصول وضوابط محض ربوبیت اور اس کے تقاضوں کی تکمیل کی خاطر جلوہ افروز ہو رہے ہیں، اگر ان میں بدنظمی و انتشار ہوتا تو ربوبیت بھی ثابت نہ ہوسکتی تھی، کیونکہ ربوبیت کے معنی ہیں کسی چیز کو درجہ بدرجہ نشو و نما دیکر تکمیل تک پہنچانا، اس لیے ربوبیت میں انسان حیوانات و نباتات وغیرہ جملہ مخلوقات کی ضروریات کی فراہمی اور ان کی نگرانی اور دیکھ بھال وغیرہ سب شامل ہے، اور ہم کو سلسلۂ علل و معلولات (Cause and effect) کے روپ میں حیوانات و نباتات سے قسم قسم کے غلے، میوے، پھل، ترکاریاں، مسالے، گوشت، مچھلی وغیرہ

مختلف قسم کی نعمتیں حاصل ہو رہی ہیں، وہ اسی ربوبیت ہی کا ایک جز، اور نظام ربوبیت ہی کے ماتحت ہیں

اس لیے اسلام کا مطالبہ ہے کہ جو ہستی اس قدر رحمت و شفقت کا مظاہرہ اور اتنے عجیب و غریب اور حیرت انگیز طریقہ سے انسان کی تمام ضروریات کو پورا کر رہی ہے عقل، منطق، احسان شناسی اور انسانیت کا تقاضا یہی ہے کہ ایسی محسن و مشفق اور رحیم و رحمٰن ہستی سے منہ نہ موڑا جائے اور اس کی الوہیت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے۔

یا ایھا الناس اعبدوا ربکم	لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے
الذی خلقکم والذین من قبلکم	پہلے والوں کو اس لیے پیدا کیا کہ تم اس سے ڈرو
لعلکم تتقون ۝ الذی جعل لکم	(تمھارا رب) وہ ہے جس نے زمین کو تمھارے لیے
الارض فراشا والسماء بناء وانزل	بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت اور اوپر سے پانی
من السماء ماء فاخرج به من الثمرات	برسایا پھر اس پانی کے ذریعہ تمھاری روزی کی خاطر
رزقا لکم فلا تجعلوا للہ اندادا	(قسم قسم کے) میوے اگائے، سو تم جان بوجھ کر
وانتم تعلمون۔ (بقرہ ۲۱-۲۲)	کسی کو اللہ کا مقابل نہ ٹھہراؤ۔

یہاں پر دو باتیں قابل غور ہیں، ایک تو خالق کائنات کا تعارف رب کے لفظ سے کرایا گیا ہے جو نوع انسانی کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف بلانے کا فطری اور پیار بھرا طریقہ ہے، دوسرے آخری فقرہ اس حیثیت سے بڑا اہم اور معنی خیز ہے کہ آج پوری دنیائے سائنس غذائی مسئلہ کو سلجھانے اور مشینی طور پر پروٹینز (Proteins) اور کاربوہائیڈریٹ (Carbohydrate) وغیرہ کو جو غلہ، پھل، میوہ اور ترکاری وغیرہ کے اہم ترین اجزا ہوتے ہیں، مشینی پیمانے پر تیار کرنے میں ناکام ہو چکی ہے۔ مگر خدا کی رزق رسانی میں فرق

نہیں آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات کا ایک ہی رب ہے، اور رہیگا، اس پر دوسرے امور ربوبیت کو بھی قیاس کر لیجئے۔

یا ایھا الناس اذکروا نعمۃ اللہ	لوگو اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جس سے اس نے
علیکم ھل من خالق غیر اللہ	تم کو نوازا ہے، کیا اللہ کے سوا ایسا کوئی دوسرا
یرزقکم من السماء والارض	خالق بھی ہے، جو تم کو زمین و آسمان سے (ان
لا الہ الا ھو فانی تؤفکون	دونوں کی قوتوں کو یکجا کر کے) کھلاتا پلاتا ہو؟
(فاطر - ۳)	(حقیقت یہ ہے کہ) اس کے سوا کوئی دوسرا
	الٰہ (نرالے اور حیرتناک افعال والا) موجود
	نہیں ہے، پس تم بہکے بہکے کدھر جا رہے ہو۔

اسلام کا اصلاحی پروگرام

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے معاشرتی اور سیاسی انقلاب برپا کرنے سے پہلے ایک فکری و نظریاتی انقلاب پیدا کیا، وہ باہر سے لیپا پوتی اور بیرونی تبدیلیاں کرنے سے پہلے اندرونی طور پر دل و دماغ کو دھو کر اندر سے انقلاب برپا کرنا چاہتا ہے، ظاہر ہے کہ ایک خشک زمین میں بیج داب دینے سے اس میں کلّے نہیں پھوٹ سکتے اور برگ و بار نہیں آسکتے جب تک کہ اس کو پہلے سے ہل چلا کر، گوڑ کر اور سینچ کر روئیدگی کے لیے پوری طرح تیار نہ کر لیا جائے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آغاز اسلام کے وقت کی زندگی میں سب سے پہلے عقائد کی تنقیح کی گئی، اور جب اسلام قبول کرنے والوں میں عقیدہ و ایمان پختہ اور راسخ ہو گیا تو مدنی زندگی میں معاشرتی و تمدنی احکام نازل ہوئے، جس سے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے، اگر شروع ہی میں تمام شرعی احکام نازل کر دیے جاتے تو ان کی قبولیت اور نفاذ میں

بڑی دشواری پیش آتی۔ اس سے اسلام کی حکمت عملی اور بے نظیر دانشمندی کا پتہ چلتا ہے،

یہ ہیں اسلام کے بنیادی عقائد و تصورات اس کا مقصد اور نصب العین اور حکیمانہ و بے مثال طریقۂ کار۔ اسلام حقیقتاً سرتاپا عدل اور سراپا دلیل و برہان ہے، اس سے بڑھ کر فطری، عقلی اور حقیقت پسندانہ مذہب روئے زمین پر کوئی دوسرا موجود نہیں ہے۔

یا ایھا الناس قد جاء کم برھان	لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے
من ربکم و انزلنا الیکم نوراً	دلیل آ چکی ہے اور ہم تمہارے پاس نور روشن
مبینا۔ (نساء: ۱۷۴)	(قرآن) بھیج چکے ہیں

ان وضاحتوں کے بعد اسلام کا بالکل صحیح، صریح اور غیر مبہم دعویٰ ہے کہ جو کوئی خدا پر ایمان لائے گا اور عمل صالح (شریعت الٰہی) پر عمل پیرا ہو جائے گا وہی اخروی زندگی میں کامیاب و کامران رہے گا، اور جو کوئی ان ابدی و سرمدی سچائیوں کو جھٹلا کر ایمان و عمل صالح سے انکار کر دے گا وہ ناکام و نامراد رہے گا۔

والعصر ان الانسان لفی خسر	زمانہ (پوری تاریخ انسانی) شاہد ہے کہ تمام انسان
الا الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت	گھاٹے میں ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے
وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر	نیک کام کیے اور ایک دوسرے کو حق بات اور
(سورۂ عصر)	ثابت قدمی کی تلقین کرتے رہے۔

یہ چھوٹی سی سورت دین اسلام کا جوہری خلاصہ اور اصولی اعتبار سے اس کی تمام تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ اس میں چار باتیں بیان کی گئی ہیں: (۱) ایمان (۲) عمل صالح (۳) تلقین حق (۴) اور تلقین ثبات۔ یہ چار باتیں اس دین حق کے واضح اور مثبت پروگرام کا خاکہ اور بنیادی دستور (Constitution) کی حیثیت رکھتی ہیں، یہ وہ اصول ہیں جن سے

دنیا کی کایا پلٹ ہو سکتی ہے، اور آج دنیا کو ان ہی چار چیزوں کی ضرورت ہے۔ قرآنی فلسفۂ تاریخ کی رو سے آغاز آفرینش سے لیکر آج تک دنیا کی جس قوم نے بھی ان چار چیزوں کو اختیار کیا وہ دنیا کے اسٹیج پر برقرار رہی، اور جس نے اس کو ترک کیا وہ محفل ہستی سے اٹھا دی گئی، تاریخ انسانی کی اس شہادت کو "والعصر" کہہ کے پیش کیا گیا ہے، اس لحاظ سے یہ چھوٹی سی مگر عظیم سورت دنیا کے پورے اصلاحی لٹریچر پر بھاری ہے، امام شافعیؒ نے بالکل بجا فرمایا کہ اگر انسان کی اصلاح کے لیے پورے قرآن کی بجائے صرف یہی ایک سورت نازل کر دی جاتی تب بھی کافی تھا،

اسلام ایک ضرورت غرض اسلام عیسائیت کی طرح محض ایک بے جان عقیدے کا نام نہیں، بلکہ ایک مکمل دستور العمل ہے، جو انسان کو زندگی کے ہر موڑ پر واضح ہدایات دیتا ہے، اس کے عقائد جس طرح انتہائی معقول اور سائنٹفک ہیں، اسی طرح اس کی عباداتی اخلاقی اور معاشرتی تعلیمات بھی انتہائی معقول، محکم اور متوازن ہیں، عصر حاضر کے ایک بہت بڑے ادیب جارج برناڈ شا نے اسلام کی فطری اور سادہ تعلیمات سے متاثر ہو کر یہ پیشین گوئی کی تھی کہ اسلام ایک نہ ایک دن یقیناً ساری دنیا کا مذہب بن جائے گا، آج دنیا میں مختلف قسم کے مہمل فلسفوں اور ازموں نے سر اٹھا رکھا ہے، مگر روئے زمین پر پھیلی ہوئی خرابیوں اور بے چینیوں کو سوائے اسلام کے دنیا کا کوئی مذہب اور کوئی "ازم" دور نہیں کر سکتا، خواہ وہ کیمونزم ہو یا سوشلزم، کیپٹل ازم ہو یا نیشنلزم، حقیقت یہ ہے کہ جب تک ان تمام بے جان، غیر فطری اور مہلک ازموں کو ترک کر کے مساوات انسانی اور وحدت بنی آدم کا صور نہ پھونکا جائے گا دنیا میں امن و سلامتی کا دور دورہ ناممکن ہے، موجودہ گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں اسلام ہی روشنی کی کرن دکھا دیتا ہے۔

یاایھا الناس انا خلقنکم من	لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک
ذکر و انثیٰ وجعلنا کم	عورت سے پیدا کیا ہے، اور تم کو مختلف
شعوبا و قبائل لتعارفوا	قوموں اور قبیلوں میں بانٹ دیا ہے،
ان اکرمکم عند اللہ اتقکم	تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، اب
	تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز
	وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ اس کا
(حجرات - ۱۳)	وفادار رہو۔
ان الدین عند اللہ الاسلام	(اللہ کے نزدیک (پسندیدہ) دین صرف اسلام ہے

چشم اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری
ہے ابھی محفل ہستی کو ضرورت تیری

تاریخ سندھ

خلافت راشدہ کے زمانہ سے لیکر آٹھویں صدی ہجری تک سندھ جن جن حکومتوں اور فرمانروا خاندانوں کے ماتحت رہا، اور ان تمام دوروں میں سندھ میں جو علمی و تمدنی ترقی ہوئی اور رفاہ عام کے جو گوناگوں کام انجام پائے، ان سب کی اس کتاب میں پوری تفصیل بیان کی گئی ہے، مولفہ مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی

جدید اڈیشن   قیمت ہے

منیجر

نوائے عصر

نوائے حیات کے بعد جناب یحییٰ اعظمی کا دوسرا مجموعۂ کلام جس میں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں مرحوم کے قلم سے پیش لفظ اور جناب مولانا شاہ معین الدین کے قلم سے تعارف ہے۔   قیمت ہے

منیجر

ادبیات

بیانِ حقیقت

از جناب ڈاکٹر ولی الحق صاحب انصاری

انھیں سے ہے زیبِ عروسِ حیات   وہی جن کو سمجھا ہے تو مشکلات
جہاں میں ہے جو کچھ وہ سب بے ثبات   قدیم اور قائم فقط ایک ذات
تری سرد مہری ترا التفات   یہی موت میری یہی ہے حیات
صنم خانۂ دل کے لات و منات   مری آرزوئیں مری خواہشات
یہ انسان یہ حاصلِ کائنات   فرشتہ طبیعت اہرمن صفات
تری محفلِ وعظ میں کیا ہے اور   فقط اک بہشت و جہنم کی بات
محبت ہی کا نام پروردگار   محبت ہی ہے خالقِ کائنات
دلِ غمزدہ میں شعاعِ امید   اندھیرے میں جس طرح آبِ حیات
طلبگار ہے تو بھی اور میں بھی شیخ   زباں پر ہے میری ترے دل کی بات
بلند ہوتا جاتا ہے عزمِ بشر   سمٹتی چلی جاتی ہے کائنات
اجل اور شے ہے فنا اور چیز   سمجھے رموزِ حیات و ممات
دل و دیدہ کر پاک آنسو بہا   ادا کر متاعِ الم کی زکات
کہاں شادمانی اگر غم نہ ہوں   کہاں ماہ و انجم اگر ہو نہ رات
غم و رنج و اندوہ و تاب و تعب   یہی ہے مرے دل کی کل کائنات
بساطِ زمانہ پہ اکثر ولی   پیادوں سے شاہوں نے کھائی ہے مات

غزل

جناب ماہر القادری

شورشِ طوفاں ہے اور منجدھار ہے
پھر بھی وہ چاہیں تو بیڑا پار ہے

وقتِ راحت، وقت ہی آزار ہے
یہ کبھی مرہم، کبھی تلوار ہے

سچ تو یہ ہے رسم و راہِ دوستی
کتنی آساں، کسقدر دشوار ہے

اے نگاہِ ناز! آزردہ نہ ہو
مجھکو اپنے جرم کا اقرار ہے

عشق کے جلووں کا عالم دیکھنا
حسن اب خود آئینہ بردار ہے

گرتے پڑتے چل رہے ہیں راہرو
پاؤں زخمی، راہ ناہموار ہے

آپ کو بھی زحمتِ پرسش نہ دی
آپ کا غم، کس قدر خوددار ہے

بیکسی غربت کی ماہرؔ کیا کہیں
دھوپ بھی اب سایۂ دیوار ہے

غزل

از جناب تسکینؔ قریشی

جب تری رہگذر سے گذرے ہیں
ہم تو کچھ بے خبر سے گذرے ہیں

کیا یونہی مل گیا ہے منصبِ عشق
ان کی اک اک نظر سے گذرے ہیں

مے چھٹی اور میکدہ نہ چھٹا
جب بھی گذرے ادھر سے گذرے ہیں

خود انھیں بھی خبر نہیں جن کی
وہ بھی جلوے نظر سے گذرے ہیں

کتنے چہروں سے اٹھ گئی ہے نقاب
ہم جنوں میں جدھر سے گذرے ہیں

ٹھوکریں کھائی ہیں وہیں تسکینؔ
ہم سنبھل کر جدھر سے گذرے ہیں

مطبوعات جدیدہ

بائبل سے قرآن تک جلد اول ۔ ترجمہ مولانا اکبر علی صاحب، شرح و تحقیق مولانا محمد تقی عثمانی

تقطیع کلاں، کاغذ بہتر، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۴۱۲ مجلد، قیمت ۱۵ روپے، پتہ: مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴ پاکستان۔

ہندوستان پر انگریزوں کے مکمل قبضہ و اقتدار کے کچھ عرصہ بعد جب یہاں عیسائی مشنریوں کی تبلیغی سرگرمیاں بہت بڑھ گئیں اور انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں انھوں نے مسلمانوں کو خصوصیت سے اپنا ہدف بنایا تو ان کے مقابلہ کے لیے جو علماء حق پیش پیش تھے، ان میں جنگ آزادی کے مشہور مجاہد مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی (م ۱۳۰۸ھ) کا نام زیادہ اہم ہے انھوں نے مسیحی علماء اور پادریوں سے مناظرے بھی کیے، اور رد عیسائیت میں کئی رسالے اور کتابیں بھی لکھیں، ان کی تصنیفات میں "اظہار الحق" سب سے مشہور اور رد عیسائیت پر لکھی جانے والی کتابوں میں زیادہ جامع، مدلل اور بہتر ہے، یہ کتاب عربی زبان میں لکھی گئی تھی، اور اس کے کئی اڈیشن اور متعدد زبانوں میں ترجمے چھپ چکے ہیں، اب عیسائی مشنریوں کی موجودہ سرگرمیوں کے پیش نظر دار العلوم کراچی کے ایک لائق استاد مولانا اکبر علی صاحب نے "اظہار الحق" کا اردو ترجمہ کیا ہے، زیر نظر کتاب اس کے ربع اول کے ترجمہ پر مشتمل ہے، اس حصہ میں عیسوی مذہب کے اصل دار و مدار یعنی بائبل کی تمام کتابوں کا تعارف اور ان کے اختلافات اور غلطیوں کی نشاندہی کرکے ان کو غیر مستند اور غیر الہامی ثابت کیا گیا ہے، گو "اظہار الحق" موجودہ زمانہ کے لحاظ سے بھی مفید، مدلل اور محققانہ کتاب ہے، اور اس کا ترجمہ بھی سلیس و شگفتہ کیا گیا ہے، لیکن اس سے خاطر خواہ اور مکمل استفادہ کے لیے اس کو اب موجودہ مذاق

کے مطابق ایڈٹ کرنے اور نئی ترتیب و تہذیب کے بعد شائع کرنے کی ضرورت تھی، اس اہم اور ضروری کام کو مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے لائق و فاضل فرزند مولانا محمد تقی عثمانی نے بڑے حسن و خوبی، پوری ذمہ داری اور نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ انجام دیا ہے، انھوں نے اصل کتاب کا نام بھی تبدیل کردیا ہے، ان کے قلم سے شروع میں تقریباً سوا دو سو صفحے کا ایک مبسوط اور فاضلانہ مقدمہ ہے، جو بجائے خود نہایت اہم اور رد عیسائیت پر ایک مستقل تصنیف ہے، اس میں مسیحی مذہب کی اصل حقیقت اور صحیح خد و خال بالکل غیر جانبداری کے ساتھ خود اس مذہب کی کتابوں اور اس کے پیشواؤں کے بیانات سے واضح کرنے کے بعد یہ دکھایا گیا ہے کہ موجودہ عیسائیت کا اصل بانی حضرت مسیحؑ کے بجائے پولس ہے، مقدمہ کے آخر میں صاحب تصنیف کے حالات و سوانح اور علمی و دینی خدمات کا تذکرہ اور اس مناظرہ کی جو ان کے اور مشہور پادری اور میزان الحق کے مصنف فانڈر کے درمیان ہوا تھا مفصل روداد تحریر کی گئی ہے، یہ روداد نہایت دلچسپ ہے، مولانا محمد تقی نے متن پر بڑے عالمانہ اور محققانہ حواشی بھی لکھے ہیں، اس میں بائبل کی قدیم و جدید تحریفات، اس کے نسخوں کے فرق و اختلاف، مذہب عیسوی کے متعلق جدید تحقیقات و معلومات اناجیل اور عیسائی مذہب کی کتابوں کے جنکے مصنف نے حوالے دیے ہیں تخریج، موجودہ زمانہ کی انجیلوں اور کتابوں سے ان کا مقابلہ اور ان کی مکمل تحقیق و تنقید، ان کتابوں اور اشخاص کا جن کے نام کتاب میں آئے ہیں، تعارف اور سبکے بارہ میں مفصل معلومات، مذہبی و اصطلاحی الفاظ اور تشریح طلب مقامات کی وضاحت بڑی محنت و عرق ریزی سے کی گئی ہے، ان محققانہ و معلومات افزا حواشی اور فاضلانہ پُرمغز مقدمہ نے کتاب کی قدر و قیمت کئی گنا بڑھا دی ہے، اس دینی، علمی اور تحقیقی کارنامہ پر فاضل شارح کی جتنی داد بھی دیجائے کم ہے امید ہے کہ اس کتاب کے باقی حصوں کا ترجمہ و تشریح بھی جلد منظر عام پر آئے گا۔

تفہیم المسلم جزء اول و دوم۔ مرتبہ مولانا ہلال عثمانی صاحب متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت و

طباعت اچھی، مجموعی صفحات ۱۹۶، قیمت فی جزء ۳ روپے، ناشر دار المعارف دیوبند

صحیح بخاری کے بعد حدیث کی اہم مستند اور مشہور و مقبول کتاب صحیح مسلم ہے، اردو میں اس کی پہلی شرح مولانا وحید الزماں وقار نواز جنگ نے کی تھی، جو عرصہ ہوا شائع ہو چکی ہے، اب صاحب فتح الملہم مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کے برادر اکبر مولانا مفتی عزیز الرحمن کے نبیرہ اور دار العلوم دیوبند کے استاذ مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی ایک دوسری مفصل شرح اردو میں لکھ رہے ہیں، دار المعارف نے خریداروں کی سہولت کے لیے اس ضخیم شرح کا ایک ایک جزء ہر دوسرے مہینہ شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے، ابھی دو جزء شائع ہوئے ہیں، پہلا جزء مقدمہ اور کتاب الایمان کی آٹھ حدیثوں اور دوسرا کتاب الایمان کی مزید اڑتالیس حدیثوں کے ترجمہ و تشریح پر مشتمل ہے، پہلے جزء کے شروع میں حدیث کی بعض اصطلاحات کی تعریف، امام مسلم کا تذکرہ اور صحیح مسلم کی خصوصیات بھی لکھی گئی ہیں، لائق مرتب نے پہلے احادیث کا متن دیا ہے پھر انکا ترجمہ و تشریح اور فٹ نوٹ میں بعض فنی نکات، رواۃ کے متعلق مختصر معلومات اور غریب الفاظ کی تحقیق کی ہے، اس شرح میں امام نوویؒ اور متقدمین علماء کے شروح کے علاوہ مولانا عثمانی کی شرح اور دار العلوم کے اکابر شیوخ حدیث کے درسی افادات سے زیادہ مدد لی گئی ہے، اس حیثیت سے یہ شرح حدیث کے طلبہ کے لیے بڑی کارآمد ہے، مگر اس قسم کی شرحوں سے طلبہ میں سطحیت اور سہولت پسندی پیدا ہو جاتی ہے، غالباً مرتب نے اصلاً اس کو عربی زبان سے ناواقف لوگوں کے لیے لکھا ہے، اس لیے اس میں فنی و علمی تحقیقات اور فقہی و کلامی مباحث سے تعرض کرنے کے بجائے احادیث کا معنی خیز ترجمہ اور ان کے مطالب کا خلاصہ بیان کر دینا کافی تھا، اور ان شبہات کا ازالہ خاص طور سے ضروری تھا جو منکرین حدیث کی جانب سے کیے جاتے ہیں، پرانے کلامی مباحث پر جو اس وقت بھی بحث و جدال کا موضوع ہیں نئے انداز سے لکھنا چاہیے تھا، اس پہلو سے قطع نظر یہ شرح مفید اور مرتب کی محنت و کاوش لائق تحسین ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات۔ مرتبہ جناب خلیق احمد صاحب نظامی

ریڈر شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی، بڑی تقطیع، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۲۰۴، قیمت ۶ روپے
پتہ: ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۶

عرصہ ہوا اس کتاب کا پہلا اڈیشن شائع ہوا تھا، اور اس پر معارف میں مفصل تبصرہ بھی ہوا تھا، اب دوسرا اڈیشن مزید اضافے کے بعد شائع کیا گیا ہے، پہلے اڈیشن میں چھبیس ۲۶ مکتوبات اور آٹھ ضمیمے تھے، اور دوسرا اڈیشن بیالیس ۴۲ مکتوبات اور گیارہ ضمیموں پر مشتمل ہے، ایک طویل خط کا عکس بھی دیا گیا ہے، اور ضمیمہ، مقدمہ اور تعلیقات میں بھی اضافے کیے گئے ہیں، ترتیب پہلے اڈیشن کے موافق ہے، یعنی پہلے مکتوبات کا فارسی متن، پھر اس کا سلیس شگفتہ اردو ترجمہ، اس کے بعد تعلیقات اور سب کے آخر میں ضمیمے ہیں، شروع کے مقدمہ میں مکاتیب پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے، ان تمام مکتوبات سے شاہ صاحب کی بالغ نظری، ذہنی بیداری اور سیاسی شعور کے علاوہ اس عہد کی تاریخ سے متعلق بھی مفید معلومات حاصل ہوتے ہیں، اور وہ ادبی و دینی حیثیت سے بھی بصیرت افروز ہیں۔

آئینۂ جمال

- مرتبہ جناب جمال بھارتی صاحب، تقطیع خورد، کاغذ معمولی، کتابت وطباعت قدرے بہتر، صفحات ۲۵۶، مجلد مع گرد پوش، قیمت ۵ر پتہ کتبخانہ انجمن ترقی اردو، جامع مسجد دہلی ۶

جناب جمال بھارتی قوم پرور شاعر ہیں، یہ ان کا پہلا مجموعہ ہے، جو نظموں، غزلوں اور قطعات پر مشتمل ہے، مصنف کی قوم پروری اور حب الوطنی کی جھلک انکی شاعری کی تمام اصناف میں موجود ہے، اور انکی نظموں میں بڑا تنوع اور رنگا رنگی ہے، قومی، سیاسی اور رومانی نظموں کے علاوہ انھوں نے مختلف ارباب علم و سیاست کو خراج عقیدت بھی پیش کیا ہے، انکی بعض رومانی نظموں پر اختر شیرانی کی نظموں کا دھوکا ہوتا ہے، غزلوں میں حسن و عشق کے واردات اور زندگی کے تجربات و مشاہدات دونوں شامل ہیں، مصنف کو صحافتی مشغولیتوں سے زیادہ واسطہ رہا ہے، اس لیے ان کے کلام میں گہرائی و گیرائی اور زبان بیان میں شان دلکشی کی کمی ہے، لیکن ان کا تغزل سوز و اثر سے خالی نہیں ہے۔

"ض"

جلد ۱۰۶ - جمادی الثانی ۱۳۹۰ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۷۰ء عدد ۲

مضامین